فی ظلال القرآن

جلد ششم

پارہ --- ۳۰

سورۂ الکوثر ـ ۱۰۸

۱ -- تا -- ۳

Marfat.com
Marfat.com

سورۃ الکوثر ایک نظر میں

یہ سورت خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق ہے جس طرح سورت الضحیٰ اور سورہ الشرح آپؐ کے لیے تھی ۔ یہ سورہ آپؐ کا غبار خاطر دور کرتی ہے اور یہ پیشن گوئی کرتی ہے کہ آپؐ کو خیر کثیر دیا گیا ہے اور آپؐ کے دشمنوں کو اس میں دھمکی دی گئی ہے کہ انکی جڑ کاٹ دی گئی ہے ' لہٰذا آپ کو چاہئے کہ اپنے رب کا شکر ادا کریں۔

چنانچہ یہ سورت ابتدائی دور میں دعوت اور داعی کی زندگی کی ایک جھلک ریکارڈ کرتی ہے ' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر طرف سے سازشیں کی جارہی ہیں اور آپؐ کو اذیت دی جارہی ہے اور آپؐ کی دعوت کا راستہ روکا جارہا ہے اور اس دور میں اللہ اپنے بندے پر جس طرح مہربان اور لال ایمان کے مٹھی بھر دستے پر جس طرح مہربان تھا اس کی تصویر کشی بھی کی گئی ہے ۔ چنانچہ اس سورت میں آپؐ کو اطمینان دلایا جاتا ہے ' اور آپؐ سے روشن مستقبل کا وعدہ کیا جاتا ہے اور آپؐ کے دشمن کے بارے میں تاریک مستقبل کی پیشن گوئی کی جاتی ہے کہ ان کی جڑ کٹنے والی ہے ۔

وہ ہدایت ' خیر اور ایمان کی حقیقت کو ایک طرف رکھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس میں کثرت ' برکت اور دوام اور پھیلاؤ ہے ۔ اور دوسری جانب گمراہی ' شرک اور کفر کو رکھا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ ان کی قسمت میں قلت ' خسارہ اور جڑ کٹنا لکھا ہوا ہے ۔ اگرچہ غافل لوگ اس کے برعکس سوچتے ہیں۔

---ooo---

Marfat.com
Marfat.com

درس نمبر ۳۰۸ تشریح آیات

۱ -- تا -- ۳

۳ ع اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳ ع

۳۳

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

"(اے نبیؐ) ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو' تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے"۔

روایات میں آتا ہے کہ قریش کے اوباش رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وقت پیچھا کرتے تھے۔ آپؐ کی دعوت کے خلاف سازشوں میں لگے رہتے تھے اور آپؐ کے ساتھ طنز و مزاح کرتے رہتے تھے۔ اس طرح وہ بزعم خود عوام الناس کو آپؐ کی دعوت حق سننے سے باز رکھتے تھے جو آپؐ لے کر آئے تھے۔ ان اوباشوں کے سرخیل عاص ابن وائل' عقبہ ابن ابو معیط' ابولہب' ابوجہل وغیرہ تھے۔ یہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم "ابتر" ہیں' یعنی ان کی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ ان میں سے بعض نے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ اسے چھوڑ دو' اس کی کوئی اولاد نہیں ہے' جب یہ مرجائے گا تو یہ تحریک خود بخود ختم ہو گی۔

عرب معاشرے میں چونکہ نرینہ اولاد کی بہت بڑی اہمیت تھی' اس لیے ان کے ہاں پروپیگنڈے کی اس سازش کا کافی اثر تھا۔ آپؐ کے مخالف اور دشمن اس گھٹیا پروپیگنڈے کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور آپؐ کے قلب مبارک پر اس کا بہرحال اثر ہوتا تھا۔ اس وجہ سے یہ سورت نازل ہوئی کہ آپؐ کا غبار خاطر چھٹ جائے۔ آپؐ خوشی اور تازگی محسوس کریں اور آپؐ کو جو خیر کثیر دے کر بھیجا گیا تھا' اس کی حقیقت اچھی طرح دلوں میں بیٹھ جائے' اور یہ سمجھا دیا جائے کہ دراصل "ابتر" تو آپؐ کے دشمن ہیں اور وہ اس انجام تک پہنچنے والے ہیں کہ ان کی جڑ کٹ جائے اور ان کا نام و نشان مٹ جائے۔

Marfat.com
Marfat.com

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ (۱۰۸ : ۱) "ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا ہے"۔ کوثر کثرت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں بے حد و حساب اور یہ مفہوم اس کے بالکل برعکس ہے جس کو ہر احمق آپ کی طرف منسوب کرتا تھا یعنی ہم نے آپ کو جو کچھ دیا ہے وہ ایک عظیم اور لامحدود فیض ہے۔ یہ مسلسل جاری رہے گا اور اس کا سلسلہ کٹنے والا نہیں ہے۔ جو شخص بھی غور کرے کہ وہ فیض کثیر کیا ہے' جو اللہ نے اپنے نبی کو دیا تو وہ اسے پا سکتا ہے جس طرف بھی وہ نگاہ کرے اسے موجود پائے گا۔

سب سے پہلے آپ کو جو منصب رسالت دیا گیا وہ خیر کثیر ہے' آپ کا عظیم سچائی سے رابطہ قائم ہوا۔ اس عظیم وجود سے آپ کا رابطہ ہو گیا جس کے سوا کوئی موجود نہیں ہے یعنی ذات باری سے اور جس شخص کا تعلق ذات باری سے قائم ہو جائے وہ سب کچھ پا لیتا ہے۔

پھر یہ خیر کثیر اس قرآن کی شکل میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ پورا قرآن نہیں' اس کی ایک ایک سورت خیر کثیر ہے اور ہر سورت ایک ایسا سرچشمہ ہے جس کے فیوض ختم نہیں ہوتے۔

پھر پورا عالم بالا آپ پر درود و سلام بھیجتا ہے اور ان لوگوں پر بھی درود و سلام بھیجتا ہے جو آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اس طرح آپ کا اسم مبارک اس پوری کائنات میں اللہ کے نام کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔

پھر آپ کی سنت کی صورت میں بھی خیر کثیر موجود ہے اور یہ سنت اس جہاں کے اطراف و اکناف میں زندۂ جاوید ہے۔ لاکھوں کروڑوں لوگ آپ کی سنت پر چل رہے ہیں' لاکھوں کروڑوں لوگ آپ کے پروانے ہیں اور قیامت تک کروڑوں انسان آپ پر درود و سلام بھیجتے رہیں گے۔

پھر یہ کوثر اس خیر کثیر کی شکل میں بھی موجود ہے جس سے یہ پوری دنیا فیض یاب ہوئی اور پوری انسانی تاریخ میں یہ فیوض جاری ہیں۔ چاہے ان کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو' چاہے وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ لیکن اس سرچشمے کے اثرات ان پر پڑے اور کسی نہ کسی طرح وہ فیض یاب ہوئے۔

غرض یہ کوثر وہ خیر کثیر اور عظیم ہے جس کا شمار ممکن نہیں ہے۔ اور ہم اپنی کم مائیگی کے ساتھ اگر اس کا شمار کریں تو ہم اس کی قدر و قیمت کو کم ہی کر دیں گے۔

یہ درحقیقت ایک کوثر ہے اور اس کے فیوض کی انتہا نہیں ہے۔ اسی کے علوم و معارف کے لیے حدود و قیود نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اسے کوثر کہہ کر مجمل چھوڑ دیا اور ہر "خیر" اس کے دائرے میں آ جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ خیر۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ کوثر ایک نہر ہے جو جنت میں ہے۔ اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے اس بارے میں کہا کہ وہ نہر بھی منجملہ اس خیر کثیر میں سے ہے جو آپ کو دی گئی ہے۔ گویا یہ کوثر الکوثر کا ایک حصہ ہے۔ یہ نہایت ہی مناسب تطبیق ہے جو اس بارے میں کی جا سکتی ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۱۰۸ : ۲) "پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو"۔ اس خیر کثیر کے موکد تذکرے کے بعد' جو مکہ میں تحریک اسلامی کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈا کرنے والوں اور دعوت اسلامی کے

خلاف سازشیں کرنے والوں کے علی الرغم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ آپ اس خیر کثیر کے عطا کیے جانے پر اللہ کا شکر ادا کریں اور اللہ کا پہلا شکر یہ ہے کہ انسان بندگی میں اور تمام تقربات میں صرف اللہ وحدہ لاشریک کی طرف متوجہ ہو' اور صرف اسی کو یاد کرے۔ نماز میں بھی اور قربانی میں بھی۔ نماز بھی خالص اللہ کے لیے ہو اور قربانی بھی خالص اللہ کے لیے ہو۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۱۰۸ : ۲) "یعنی اللہ ہی کے لیے نماز پڑھو اور اللہ ہی کے نام کی قربانی کرو" اور شرک کرنے والوں کے شرک کی کوئی پرواہ نہ کرو' اور اللہ کی بندگی کرو اور ان کے ساتھ شریک ہو کر کسی اور کی بندگی نہ کرو' اور اللہ کی قربانی میں اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لو۔

قرآن کریم بار بار اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام ذبیحوں پر صرف اللہ کا نام لو' اور یہ کہ جن ذبیحوں پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو' وہ حرام ہیں اور ان کا کھانا حرام ہے اور جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو' ان کا کھانا بھی حرام ہے۔ یہ اس لیے کہ قرآن کریم انسانی زندگی کو ہر قسم کے شرک کے آثار اور شائبوں سے پاک کرنا چاہتا ہے۔ صرف عقیدے سے شرک کو پاک کرنا مقصود اسلام نہیں ہے بلکہ قرآن انسان کی پوری زندگی سے شرک کی نفی کرتا ہے شرک کے تمام معانی اور تمام مفاہیم کے اعتبار سے اس کی نفی کرتا ہے' اس لیے کہ یہ دین وحدت اور توحید کا دین ہے۔ اور اس کی توحید کا نظریہ ہر پہلو سے مکمل ہے۔ اس لیے یہ دین آخر دم تک شرک کا پیچھا کرتا ہے اور اس کے تمام مظاہر سے اس کے نشان مٹاتا ہے۔ قرآن کریم اتنے دور تک شرک کا پیچھا کرتا ہے کہ اسے کسی کمین گاہ میں دم لینے نہیں دیتا۔ انسانی نفسیات' انسانی ضمیر اور انسانی فکر سے اس کا صفایا کرتا ہے۔ اسلامی عبادات سے اسے مٹاتا ہے۔ انسانی زندگی کے رسم و رواج سے اسے دور کرتا ہے اس لیے کہ زندگی ایک باہم پیوست کل (ایک نظام) ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے اور حصے بخرے نہیں کیے جا سکتے۔ اس لیے اسلام پوری انسانی زندگی سے شرک کے اثرات کو ختم کرتا ہے اور پوری زندگی کا رخ اللہ وحدہ کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور اسے پوری طرح واضح' صاف اور ستھرا بناتا ہے' چاہے قربانیوں اور ذبیحوں کا مسئلہ ہو یا عبادات و عقائد کا ہو یا رسوم و تقالید کا۔

انَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۱۰۸ : ۳) "تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے"۔ پہلی آیت کا فیصلہ یہ تھا کہ آپ کی جڑ نہیں کٹی بلکہ آپ تو الکوثر کے مالک ہیں' اور اس آیت میں شکاری اپنے جال میں پھنس جاتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابتر نہیں بلکہ آپ کے دشمنوں کی جڑ کٹ چکی ہے اور جو لوگ آپ کو ناپسند کرتے ہیں ان کا نام و نشان مٹ جانے والا ہے۔

اور اللہ کی یہ دھمکی سچی ثابت ہوئی' ان لوگوں کا نام و نشان مٹ گیا۔ اس دنیا سے ان کا تذکرہ ہی ختم ہو گیا جبکہ حضرت محمد کا نام بلند ہوا اور آپ کے مراتب پڑھتے ہی رہے۔ آج ڈیڑھ ہزار سال کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اس آیت میں کی گئی پیشن گوئی سچی ثابت ہو چکی ہے۔ اور اس آیت کا مصداق آج ایک واضح شکل میں ہمارے سامنے ہے جو ان لوگوں کے سامنے اس قدر واضح نہ تھا جنہوں نے ان آیات کو پہلی مرتبہ سنا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان' سچائی اور بھلائی کی جڑ کبھی نہیں کٹ سکتی۔ ان چیزوں کی جڑیں تو زمین میں گہری ہوتی ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

اور شاخیں آسمانوں کی فضا میں دور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہیں بلکہ کفر' باطل اور شر کی جڑ کٹی ہوئی ہوتی ہے ۔ اگرچہ وہ بظاہر تروتازہ اور پھلا پھولا نظر آئے ۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ کا معیار انسانوں کے معیار سے مختلف ہے ۔ انسانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ دھوکہ کھا جاتے ہیں ۔ فریب میں آ جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کے معیار دراصل حقائق کا تعین کرتے ہیں ۔ اس سورت میں جو مثال دی گئی ہے ' یہ ہمارے لیے ایک دائمی اور لازوال مثال ہے ۔ ذرا سوچئے تو سہی ' وہ لوگ کہاں ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ گھٹیا زبان استعمال کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے عوام کو گمراہ کر دیا ہے اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ختم ہو گیا ہے ۔ اس کا راستہ روک لیا گیا ہے ۔ سوال یہ ہے کہ یہ لوگ کہاں ہیں ۔ ان کا ذکر کہاں ہے ' ان کے آثار کہاں ہیں ' اس کے مقابلے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کو وہ ابتر کہتے تھے ' ان کو تو ہر پہلو سے حظ وافر دیا گیا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات ممکن نہیں ہے کہ دعوت الی اللہ ' سچائی اور بھلائی کی تحریک ختم ہو جائے اور اس کی جڑ کاٹ دی جائے ۔ اور نہ اس تحریک کے داعی ابتر ہو سکتے ہیں اس لیے کہ اس تحریک کا محرک زندۂ جاوید ' باقی ' لازوال اور ہمیشہ رہنے والا ہے ۔ بلکہ کفر' باطل اور شر ختم ہونے والے ہیں اور ان کے حاملین کا نشان بھی مٹنے والا ہے ۔ اگرچہ کسی مختصر دور کے لیے یہ چیزیں مستحکم اور لازوال نظر آتی ہوں اور ان کی جڑیں دور تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہوں ۔ یہ ہے سچی بات جو اللہ فرماتا ہے ' اور سازشی اور مکار جو کچھ کہتے تھے وہ جھوٹ تھا اور جھوٹ ہے اور ہمیشہ جھوٹ رہے گا ۔

---ooo---

Marfat.com
Marfat.com

فی ظلال القرآن

جلد ششم

پارہ --- ۳۰

سورۂ الکافرون ـ ۱۰۹

۱ -- تا -- ۶

سورۂ الکافرون ایک نظر میں

عرب اللہ کے منکر نہ تھے ' لیکن ان کی نظروں سے وہ اوصاف اوجھل تھے جن سے اللہ نے اپنے آپ کو متصف فرمایا تھا یعنی احد "اکیلا" اور صمد "جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں"۔ چنانچہ وہ کچھ دوسرے لوگوں کو اللہ کے ساتھ شریک کرتے تھے اور اللہ کی قدر اس طرح نہ کرتے تھے جس طرح اللہ کی عبادت کرنے کا حق ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ کئی بتوں کو شریک کرتے تھے۔ یہ بت انہوں نے یا اپنے اسلاف کی طرف منسوب کر رکھے تھے یا بڑے اکابر کی طرف یا فرشتوں کی طرف۔ یاد رہے کہ یہ لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اور یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ اللہ اور جنوں کے درمیان نسب اور رشتہ ہے۔ مدت گزرنے کے بعد انہوں نے یہ نسبت بھلا دی اور ان الہوں کی بندگی شروع کر دی اور ان کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ ان بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ان کو اللہ کے زیادہ قریب کرتے ہیں۔ سورہ زمر (۳) میں کہا گیا ہے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (۳۹: ۳) "ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے ذریعے اللہ تک ہماری رسائی ہو جائے"۔ قرآن کریم نے ان کی یہ بات نقل کی ہے کہ وہ اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ زمین و آسمان کی تخلیق اللہ نے کی ہے اور شمس و قمر کو بھی اللہ ہی نے مسخر کیا ہے اور آسمانوں سے پانی بھی اللہ ہی اتارتا ہے۔ سورت العنکبوت (۶۱) میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (۲۹: ۶۱) "اگر تم ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ اور سورج اور چاند کس کے تابع فرمان ہیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے"۔ اور آگے اسی سورت (۶۳) میں کہا گیا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (۲۹: ۶۳) "اگر تم ان سے پوچھو کون ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے"۔

وہ جب قسمیں کھاتے تو اللہ کے نام کی کھاتے ' واللہ ' باللہ اور تاللہ اور اپنی دعاؤں کا آغاز بھی وہ اللھم سے کرتے تھے۔ لیکن اللہ پر ایمان رکھنے کے باوجود شرک نے ان کے عقائد و تصورات ' ان کے رسم و رواج ' ان کے مراسم

Marfat.com
Marfat.com

عبودیت کو خراب کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے مزعومہ خداؤں اور دیوتاؤں کو اپنے مویشیوں' اپنی فصلوں اور اپنی اولاد میں شریک کر لیا تھا' اور اس سلسلے میں وہ اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ وہ اپنے بیٹوں کو بھی بعض اوقات بتوں پر قربان کرتے تھے۔ سورہ انعام (۱۳۶ تا ۱۴۰) میں قرآن مجید یہ صراحت کرتا ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (۱۳۶) وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ (۱۳۷) وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (۱۳۸) وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (۱۳۹) قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (۱۴۰) (۶ : ۱۳۶ تا ۱۴۰) ”انہوں نے اللہ کے لیے خود اس کے کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لیے ہے' بزعم خود' اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے' پھر جو چیز ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا مگر جو اللہ کے لیے ہے وہ ان شریکوں کو پہنچ جاتا ہے' کیسے برے فیصلے کرتے ہیں یہ لوگ؟ اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ بنا دیں۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے لہٰذا انہیں چھوڑ دو کہ اپنی افترا پردازیوں میں لگے رہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ جانور اور یہ کھیت محفوظ ہیں انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھلانا چاہیں' حالانکہ یہ پابندی ان کی خود ساختہ ہے۔ پھر کچھ جانور ہیں جن پر سواری اور بار برداری حرام کر دی گئی۔ اور کچھ جانور ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے' اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ پر افترا کیا ہے' عنقریب اللہ انہیں افترا پردازیوں کا بدلہ دے گا۔ اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹ میں ہے یہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہے' اور ہماری

عورتوں پر حرام' لیکن اگر وہ مردہ ہو تو دونوں اس کے کھانے میں شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ باتیں جو انہوں نے گھڑ لی ہیں۔ ان کا بدلہ اللہ انہیں دے کر رہے گا۔ یقیناً وہ حکیم اور سب باتوں کی اسے خبر ہے۔ یقیناً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت اور نادانی کی وجہ سے قتل کیا اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اللہ پر افترا پردازی کر کے حرام ٹھہرالیا۔ یقیناً وہ بھٹک گئے اور ہرگز وہ راہ راست پانے والوں میں سے نہ تھے"۔

ان کا اعتقاد تھا کہ وہ دین ابراہیم پر ہیں۔ وہ یہ یقین بھی رکھتے تھے کہ وہ اہل کتاب سے زیادہ ہدایت پر ہیں۔ یہ اہل کتاب ان مشرکین کے ساتھ جزیرۃ العرب میں رہتے تھے کیونکہ یہودیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ عیسائی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں اور خود یہ اہل عرب نیہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جنوں کی اللہ کے ساتھ رشتہ داری ہے' لہٰذا وہ اہل کتاب کے مقابلے میں اپنے آپ کو زیادہ ہدایت یافتہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ ملائکہ اور جنوں کی نسبت اللہ کی طرف اس عقیدے سے زیادہ قریب الفہم ہے کہ عزیر علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ جبکہ یہ سب عقائد شرکیہ ہیں۔ اور شرک میں کوئی درجہ بھی اچھا نہیں ہے۔ البتہ وہ اہل کتاب کے مقابلہ میں اپنے عقائد کو بہتر سمجھتے تھے۔

جب آپؐ کی بعثت ہوئی اور آپؐ نے فرمایا کہ میں دین ابراہیم پر ہوں تو انہوں نے کہا جب ہم بھی دین ابراہیم پر ہیں تو ہمیں پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے باوجود ان کے ہاں ایک منصوبہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کچھ لو اور کچھ دو کی پالیسی اختیار کر لی جائے۔ انہوں نے آپؐ کو یہ پیشکش کی تھی کہ آپؐ ان کے معبودوں کے سامنے جھک جائیں اور وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے الٰہ کے سامنے جھک جائیں گے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے الٰہوں پر تنقید نہ کریں' ہم ان کے الٰہ پر تنقید نہ کریں گے۔ اس کے علاوہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں پر جو شرائط عائد کریں آپؐ کی مرضی۔

ان لوگوں کے خیالات اور تصورات چونکہ مختلف النوع تھے۔ وہ ایک طرف اللہ کی عبادت کا دم بھرتے تھے اور دوسری جانب دوسرے الٰہوں کے بھی پجاری تھے اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ ان کے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان زیادہ فاصلے نہیں ہیں۔ اور اتحاد ممکن ہے۔ اور کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر باہم فیصلہ ہو سکتا ہے جس میں دونوں فریقوں کی رضا پیش نظر ہو۔

اس خیال کو پوری طرح رد کر دینے کی خاطر اور اس کوشش کا راستہ پوری طرح بند کر دینے کی خاطر اور اسلامی عبادت اور مشرکانہ عبادت' اسلامی نظام اور جاہلی نظام' اسلامی عقائد اور کافرانہ عقائد اور اسلامی طرز زندگی اور کافرانہ طرز زندگی کے درمیان مکمل فرق کر دینے کی خاطر یہ دو ٹوک بات کی ضرورت تھی اس لیے یہ سورت نازل ہوئی۔ جس کے اندر یہ بات نہایت تاکیدی انداز میں مکرر سہ کرر بیان کی گئی تاکہ اس موضوع پر بات ختم ہو جائے۔ توحید اور شرک کے اتحاد کے تمام راستے بند کر دیئے جائیں اور ہر قسم کی سودا بازی کی جڑ کاٹ دی جائے اور راستے کے نشانات واضح ہو جائیں اور نہ سودا بازی ہو اور نہ بحث و مباحثہ ہو۔

---ooo---

Marfat.com

درس نمبر ۳۰۹ تشریح آیات

۱ -- تا -- ۶

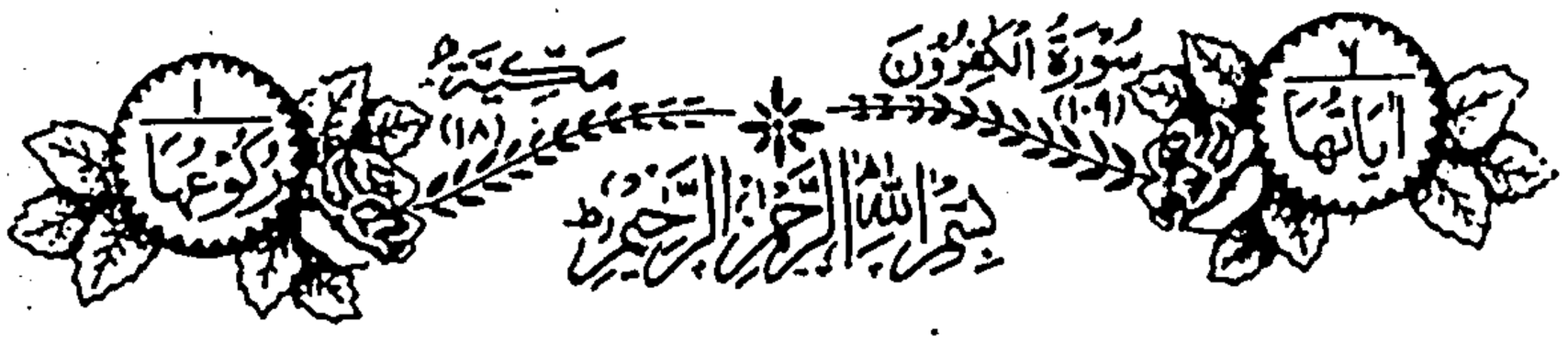

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ
مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ
اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶ ع

۱
۶ ع

۳۴

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

"کہہ دو کہ اے کافرو' میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو' نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو' جس کی عبادت میں کرتا ہوں اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے' اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین"۔

انکار کے بعد انکار' تاکید کے بعد تاکید اور قطعیت کے بعد قطعیت۔ نفی' قطعیت اور تاکید کے تمام صیغے اور اسالیب اس سورت میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

قُلْ "کہہ دو"۔ یہ دو ٹوک خدائی حکم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عقیدہ اور یہ نظریہ مامور من اللہ ہے۔ یہ اللہ وحدہ کا حکم ہے اور اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذاتی فیصلہ نہیں ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور اس حکم سے سرتابی نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ کوئی ایسا وجود ہے جو اللہ کے حکم کو رد کر سکے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (۱۰۹ : ۱) "کہہ دو اے کافرو"۔ اللہ نے ان کو اس لفظ سے پکارا جس کا اطلاق ان پر حقیقی معنوں میں ہوتا ہے۔ ایک ایسی صفت سے ان کو بلایا گیا جو ان کے اندر فی الواقعہ موجود ہے۔ در حقیقت وہ کسی دین کے پیرو نہ تھے اور در حقیقت وہ مومن نہ تھے' وہ کافر تھے۔ لہٰذا تمہارے اور ان کے درمیان کوئی نکتہ اشتراک نہیں ہے۔

اس طرح سورت کے آغاز ہی سے یہ اشارہ دے دیا جاتا ہے اور چھوٹتے ہی یہ بات واضح کر دی جاتی ہے کہ ایک

Marfat.com
Marfat.com

مسلم مومن اور کافر کے درمیان کبھی بھی اتحاد نہیں ہو سکتا۔

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (۱۰۹ : ۲) "میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو"۔ میری عبادت تمہاری عبادت سے مختلف ہے اور میرا معبود تمہارے معبود سے مختلف ہے۔

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (۱۰۹ : ۳) "نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں"۔ اس لیے کہ تمہاری عبادت میری عبادت سے مختلف ہے اور تمہارا معبود میرے معبود سے سوا ہے۔

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ (۱۰۹ : ٤) "اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم نے عبادت کی ہے"۔ یہ پہلے فقرے کی تاکید ہے لیکن یہ جملہ اسمیہ منفیہ کے ذریعے نفی ہے۔ جملہ اسمیہ منفیہ نہایت مضبوطی' دوام اور تسلسل کے مفہوم میں کسی امر کی نفی کرتا ہے۔

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (۱۰۹ : ۵) "نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں"۔ یہ دوسرے فقرے کی تاکید ہے تاکہ اس معاملے میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ اس قدر مکرر تاکیدات کے بعد شک و شبہ کی کوئی گنجائش بھی نہیں رہتی۔

اس کے بعد نہایت اجمالی طور پر ایک ہی فقرے میں دونوں گروہوں کے درمیان ایسی تفریق کر دی جاتی ہے جس میں کوئی اتحاد نہیں رہتا۔ اس قدر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد کوئی اتصال نہیں رہتا' دونوں کے درمیان اس قدر جدائی ہو جاتی ہے کہ جس کے بعد کوئی ملاپ متصور نہیں رہتا۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (۱۰۹ : ٦) "تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے"۔ میں یہاں اپنے موقف پر ڈٹا ہوں اور تم اپنے موقف پر ڈٹے ہو' دونوں کے درمیان کوئی پل نہیں ہے جس پر یہ فریق مل سکیں۔ دونوں کے درمیان مکمل جدائی ہے۔ ایک واضح امتیاز اور گہری جدائی۔

یہ مکمل جدائی ضروری بھی تھی' تاکہ کفر و اسلام کے درمیان پائے جانے والے جوہری تضاد کے خدوخال واضح تر ہو جائیں' جن کو دیکھتے ہوئے ہر کوئی سمجھ لے کہ دونوں کے درمیان مصالحت اور کچھ لو اور کچھ دو کی پالیسی اختیار کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اختلاف بنیادی نظریات میں ہے۔ اصل تصور اور منہاج زندگی' دونوں میں مختلف ہے اور طرز زندگی بھی بالکل جدا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ توحید ایک مکمل نظام ہے۔ شرک ایک متضاد نظام ہے۔ ان کا باہم ملاپ ممکن ہی نہیں۔ توحید ایک ایسا نظام اور تصور ہے جو انسان کو اس پوری کائنات کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس جہت اور سمت کا تعین کر دیتا ہے جہاں سے انسان نے اپنی پوری زندگی کے لیے ہدایات لینی ہے' عقائد بھی اور قانون بھی۔ اقدار حیات اور پیمانے بھی۔ آداب اور اخلاق بھی' غرض اس زندگی اور اس کائنات کے بارے میں مکمل فلسفہ انسان اسی جہت سے لیتا ہے اور یہ جہت جہاں سے مومن یہ سب کچھ لیتا ہے ذات باری تعالیٰ کی جہت ہے جس کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ اس

لیے اسلامی نظام زندگی میں زندگی کے تمام معاملات اسی اصول پر قائم ہوتے ہیں اور اس نظام میں اللہ کی ذات کے ساتھ کوئی شرک نہیں ہوتا۔ اسی طرز پر زندگی چلتی ہے۔ یہ فیصلہ کن جدائی اسلامی نقطہ نظر سے داعی کے لیے بھی ضروری ہے اور جن کو دعوت دی جارہی ہے۔ ان کے لیے بھی ضروری ہے۔

بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ یہ خالص اسلامی تصور حیات اور جاہلی تصور حیات آپس میں مل جاتے ہیں خصوصاً ان سوسائٹیوں میں جنہوں نے پہلے خالص اسلامی تصور کو قبول کر لیا ہوتا ہے لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ان کے اندر انحراف پیدا ہو جاتا ہے' اس قسم کی سوسائٹیوں کے سامنے جب خالص ایمانی دعوت پیش کی جاتی ہے اور ان کے سامنے اسلامی نظام کو سیدھے سادھے طریقے سے بغیر کسی ملاوٹ کے پیش کیا جاتا ہے تو یہ لوگ اس دعوت پر بہت سختی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے مقابلے میں ان لوگوں کا رویہ زیادہ معقول ہوتا ہے جن تک کبھی اسلامی دعوت پہنچی ہی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ جن سوسائٹیوں نے اسلام قبول کیا ہوتا ہے اور بعد کے ادوار میں وہ منحرف ہو چکی ہوتی ہیں' وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتی ہیں کہ وہ بھی تو ہدایت پر ہیں حالانکہ ان کے عقائد و اعمال میں صالح کے ساتھ فاسد کی ملاوٹ ہو چکی ہوتی ہے۔ ایسی سوسائٹیوں میں کام کرنے والے ان داعیوں کو بھی بعض اوقات دھوکہ لگ جاتا ہے جو ایسی سوسائٹیوں کے صالح جانب کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے برے پہلو کو بدلنا چاہتے ہیں اور خود ایسی سوسائٹیوں کے برے پہلو سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور یہ دھوکہ نہایت خطرناک ہوتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام' اسلام ہے اور جاہلیت جاہلیت ہے۔ ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ اصل طریق کار یہ ہے کہ لوگ جاہلیت سے پوری طرح نکل آئیں اور جاہلیت کے ہر رنگ سے پوری طرح نکل کر اسلام کی طرف ہجرت کر آئیں۔

اس سلسلے میں پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ داعی مکمل شعور کے ساتھ جاہلیت سے نکل کر اسلام کی طرف آجائے۔ اپنے تصورات اور نظریات کے لحاظ سے' اپنے اعمال اور طریق کار کے لحاظ سے اور یہ جدائی ایسی ہو کہ ان دونوں کے درمیان کوئی مصالحت نہ ہو' کوئی تہذیبی مصالحت نہ ہو اور جب کوئی پوری طرح جاہلیت سے نکل کر اسلام میں آجائے تو اس کے بعد پھر دونوں کے درمیان کوئی تعاون باقی نہیں رہتا۔ پھر یہ نہیں ہوتا کہ اسلام کی گدڑی میں کسی دوسرے کلچر کے پارچے اور پیوند لگیں' نہ کچھ لو اور کچھ دو کا اصول چلتا ہے۔ نہ ادھر سے جھکاؤ اور ادھر سے جھکاؤ ہوتا ہے۔ اگرچہ جاہلیت اسلام کے روپ میں آئے اور اسلام کے عنوان سے بات کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی داعی کے لیے سب سے پہلے یہ بات ضروری ہے کہ اس زاویہ سے اس کا ذہن صاف ہو' یہ بنیادی بات ہے۔ وہ مکمل شعور رکھتا ہو کہ وہ اس سوسائٹی سے ایک بیگانہ شخص ہے' اس کا اپنا دین ہے اور میرا اپنا دین ہے۔ ان کا اپنا طریقہ ہے۔ میرا اپنا طریقہ ہے۔ اور وہ ایک قدم بھی ایسے لوگوں کی راہ پر نہیں چل سکتا۔ لہٰذا اس کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے ہی راستے پر چلے اور بغیر کسی مداہنت کے وہ اپنے راستے میں اس طرح ڈٹا ہوا ہو کہ اس کا ایک قدم بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ غرض مکمل برات کا اعلان ضروری ہے' مکمل جدائی ضروری ہے اور صریح اور فیصلہ کن بات ضروری ہے۔

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (۱۰۹ : ۶) "تمہارا اپنا دین ہے اور میرا اپنا دین ہے"۔

Marfat.com
Marfat.com

آج کے داعیان حق اس بات کے محتاج ہیں اور ان کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ وہ جاہلیت جدید کے مقابلے میں اپنی مکمل برات کا اعلان کریں اور دو ٹوک اور فیصلہ کن جدائی کا اعلان کر دیں ۔ آج کے داعی اس شعور کے محتاج ہیں کہ وہ اچھی طرح جان لیں کہ دراصل وہ مکمل جاہلانہ اور کافرانہ معاشرے میں از سرنو اسلام کا اجراء و احیا چاہتے ہیں اور ان کو ایسے معاشروں سے سابقہ درپیش ہے جو پہلے صحیح مسلمان تھے ۔ ان پر ایک طویل عرصہ گزر گیا۔

فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ "ان پر بہت مدت گزر گئی اور ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہو گئے ہیں"۔ اس کے علاوہ کوئی درمیانی صورت نہیں ہے ۔ نہ کچھ لو اور کچھ دو کا معاملہ ہو سکتا ہے' نہ یہ بات ہے کہ سوسائٹی تو اسلامی ہے' چند عیوب کی اصلاح چاہئے' کملی تو درست ہے ایک پارچہ لگنا درکار ہے' اصل طریقہ یہ ہے کہ اسلام کی طرف اسی طرح مکمل دعوت دی جائے جس طرح آغاز اسلام میں داعی حق نے مکمل دعوت دی تھی' جبکہ وہ ایک جاہلی سوسائٹی کو بدل رہے تھے ۔ اسلام اور جاہلیت کے درمیان مکمل جدائی اور تفریق ضروری ہے ۔ یہ ہے میرا دین' خالص اپنے عقائد و نظریات میں' اپنی شریعت اور قانون میں' اپنے تصورات و افکار ہیں یہ سب اللہ سے ماخوذ ہیں ۔ اس میں شرک کا کوئی شائبہ اور آمیزہ نہیں ہے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو' انسانی طرز عمل کے ہر رخ پر۔

اس فیصلہ کن جدائی کے سوا کوئی چارہ نہیں ورنہ جاہلیت کے ساتھ التباس رہے گا۔ اسلامی کلچر میں دوسرے کلچروں کی پیوند کاری ہوگی اور جو بھی تحریک چلے گی وہ کمزور اور ضعیف بنیادوں پر ہوگی ۔ اسلامی دعوت و تحریک کے لیے ضروری ہے کہ وہ جرات مندی کے ساتھ دو ٹوک اور فیصلہ کن انداز میں دی جائے اور یہی طریق کار تھا داعی اول کا ۔ وہ صاف صاف کہتے تھے ۔

"لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (۱۰۹ : ۶) "تمہارے لیے تمہارا دین ہے ۔ میرے لئے میرا دین ہے"۔

---ooo---

Marfat.com
Marfat.com

فی ظلال القرآن

جلد ششم

پارہ --- ۳۰

سورۃ النصر ۔ ۱۱۰

۱ -- تا -- ۳

سورۃ النصر ایک نظر میں

اس مختصر سورت کے دو پہلو ہیں' ایک تو یہ ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک خوشخبری ہے کہ آپؐ کو فتح نصیب ہونے والی ہے اور اس فتح کے نتیجے میں لوگ جوق در جوق آپؐ کے دین میں شامل ہوں گے جو اللہ کا دین' اس لیے جب یہ موقعہ آجائے تو آپؐ کے لیے ہدایت یہ ہے کہ پھر آپؐ اللہ کی حمد و ثنا کریں اور تسبیح و تہلیل کرتے رہیں اور اللہ سے بخشش طلب کریں۔

ایک تو یہ پہلو ہے دوسرا یہ ہے کہ یہ سورت اس دین اور اس نظام اور اس نظریہ حیات کے حقیقی مزاج کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی نظریہ حیات انسانت کو آزادی' رفعت اور کرامت اور خلوص عطا کرتا ہے اور ایک روشن مستقبل اور ایک بلند و برتر مقام عطا کرتا ہے۔ وہ مقام جس تک وہ نہ اس نظریہ سے پہلے پہنچ سکی اور نہ بعد میں۔ اور آئندہ بھی انسانیت کو یہ رفعت صرف اسلام کی روشنی میں نصیب ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اسلامی دعوت پر لبیک کہے۔

اس سورت کے نزول کے بارے میں متعدد روایات وارد ہیں۔ ہم ان میں سے امام احمد کی روایت کو لیتے ہیں۔ محمد بن عدی روایت کرتے ہیں داؤد سے' وہ شعبی سے' وہ مسروق سے' وہ کہتے ہیں: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری زمانے میں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ بڑی کثرت سے پڑھتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "میرے رب نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ تم اپنی امت میں ایک علامت پاؤ گے اور جب تم نے وہ علامت دیکھ لی تو اللہ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اس سے طلب مغفرت کرو۔ بے شک وہ مغفرت کرنے والا ہے"۔ میں نے وہ علامت دیکھ لی ہے اور وہ یہ ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱) وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (۲) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (۳) (۱۱۰: ۱ تا ۳) "جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو' بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے"۔ (امام مسلم از طریق داؤد ابن ہند)

امام ابن کثیر کہتے ہیں اس سورت میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عرب کے تمام قبائل فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے کہ فتح ہو تو وہ اسلام قبول کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

اپنی قوم پر غالب ہوگئے تو وہ نبی برحق ہوں گے۔جب اللہ نے فتح مکہ نصیب کی تو تمام عرب فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہوگئے۔ دو سال نہ گزرے تھے کہ تمام جزیرۃ العرب نے ایمان قبول کر لیا۔اور تمام قبائل عرب اقرار ایمان کرنے لگے۔ الحمدللہ۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں عمر ابو سلمہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔جب فتح مکہ ہو گیا تو تمام اقوام دوڑ کر اسلام قبول کرنے لگیں اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔اس سے قبل تمام قبائل فتح مکہ کے انتظار میں تھے' ان کا کہنا یہ تھا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی قوم کو ایک دوسرے کے مقابلے میں چھوڑ دو۔اگر وہ اپنی قوم پر غالب آگئے تو وہ نبی ہیں (بخاری)

اس سورت کے ظاہری مفہوم اور عبارت کے ساتھ یہ روایت مطابقت رکھتی ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱۱۰: ۱) "جب اللہ کی نصرت آجائے اور فتح ہو"۔ تو اس میں کسی ایسے امر کی طرف اشارہ ہے جو آنے والا ہے۔اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی جاتی کہ جب یہ امر واقع ہو جائے تو آپؐ نے یہ یہ کام کرنے ہوں گے۔

ایک دوسری روایت بھی اس موضوع پر ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے۔اس روایت اور مذکورہ بالا روایت جس کو ہم نے اختیار کیا ہے ان کے درمیان تطبیق کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

امام بخاری کہتے ہیں' کہ موسیٰ ابن اسماعیل نے بیان کیا ابو عوانہ سے' انہوں نے ابوبشر سے' انہوں نے سعید ابن جبیر سے' انہوں نے ابن عباسؓ سے۔وہ فرماتے ہیں حضرت عمر مجھے شیوخ بدر کے ساتھ اپنے ہاں بلایا کرتے تھے۔بعض نے اس بات کو محسوس کیا کہ یہ حضرت عمرؓ کے پاس ہمارے ساتھ کیوں جاتے ہیں۔ان کی عمر کے تو ہمارے لڑکے ہیں' تو انہوں نے کہا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں تم جانتے ہو۔ایک دن حضرت عمر نے ان لوگوں کو بلایا اور مجھے بھی ان کے ساتھ بلایا۔میں سمجھ گیا کہ آج حضرت عمر نے مجھے ان لوگوں کے ساتھ اس لیے بلایا ہے کہ انہیں دکھائیں۔ تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱۱۰: ۱) کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ بعض نے کہا ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کی حمد بیان کریں' اس سے مغفرت کی دعا کریں اس لیے کہ اس نے ہماری نصرت کی اور ہمیں فتح نصیب ہوئی اور بعض دوسرے خاموش ہوگئے اور انہوں نے کوئی بات نہ کہی۔پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا ابن عباس تمہاری بھی یہی رائے ہے؟ تو میں نے کہا نہیں' تو انہوں نے فرمایا پھر تمہاری رائے کیا ہے۔تو میں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "اجل" کا اظہار ہے۔اللہ نے پہلے سے آپ کو بتا دیا (کہ اس دنیا میں اب آپ کا وقت کم ہے) اللہ نے فرمایا۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱۱۰: ۱) "جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح ہوگئی تو یہ علامت ہے آپ کی وفات کی۔اس لیے آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے دعائے مغفرت کریں بے شک اللہ بخشش کرنے والا ہے۔ تو حضرت عمر ابن الخطابؓ نے فرمایا میرے علم میں بھی وہی بات ہے جو تم کہتے ہو۔ (بخاری)

یہ بات ہماری رائے کے ساتھ متضاد نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی بتائی ہوئی علامت دیکھی ہو اور یہ بات سمجھ گئے ہوں کہ ان کا فریضہ ادا ہو چکا۔ اور یہ کہ وہ عنقریب رفیق اعلیٰ کے

Marfat.com
Marfat.com

ساتھ ملنے والے ہیں۔ یہ ہے مفہوم حضرت ابن عباس کے قول کا کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بات کی گئی ہے۔

ہاں ایک دوسری حدیث جسے امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب سورت۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱۱۰ : ۱) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور کہا "مجھے میری موت کی اطلاع دے دی گئی ہے" تو وہ رو پڑیں اور پھر ہنس پڑیں۔ اور آپؐ نے فرمایا مجھے حضورؐ نے خبر دی کہ مجھے میری موت کی اطلاع دی گئی ہے تو میں رو پڑی اور پھر حضورؐ نے فرمایا "صبر کرو تم میرے اہل و عیال میں سب سے پہلے مجھ سے ملوگی"۔ اس پر میں ہنس پڑی۔

اس حدیث میں اس سورت کے نزول کا وقت متعین کر دیا گیا ہے۔ گویا یہ اس وقت نازل ہوئی جب علامت واقع ہوگئی تھی اور تمام عرب فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوگئے تھے۔ جب یہ سورت علامت کے مطابق نازل ہوئی تو حضورؐ نے اس بات کو سمجھ لیا کہ اب رحلت کا وقت قریب ہے۔ مگر ہم نے جو پہلی بات کی ہے وہ زیادہ قابل اعتماد اور مضبوط ہے۔ اور آیت کی ظاہری عبارت سے بھی زیادہ قریب ہے۔ خصوصاً اگر یہ بات پیش نظر رکھی جائے کہ حضرت فاطمہؓ کے ہنسنے اور رونے کی حدیث کو ایک دوسرے انداز سے بھی نقل کیا گیا ہے اور اس کو یہ ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو فتح کے سال بلایا اور ان کے ساتھ سرگوشی میں کوئی بات کی تو وہ رو پڑیں۔ اس کے بعد آپؐ نے ان سے مزید کوئی بات کی تو وہ ہنس پڑیں۔ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہؐ فوت ہوئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ سے رسول خداؐ نے کیا بات کی تھی کہ آپؓ رو پڑیں اور پھر ہنس پڑیں۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے رسول خداؐ نے یہ اطلاع دی کہ آپؐ جلد ہی فوت ہو جائیں گے تو میں رو پڑی' اس کے بعد مجھے انہوں نے یہ اطلاع دی کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہوگی' ماسوائے مریم بنت عمران کے' تو میں ہنس پڑی۔

یہ روایت نص قرآنی کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ ہے۔ اور امام احمد کی روایت کے ساتھ بھی متفق ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ اور رسول اللہؐ کے درمیان ایک علامت تھی اور وہ تھی۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱۱۰ : ۱) اور جب فتح ہوگئی تو معلوم ہو گیا کہ حضورؐ کی رحلت اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس وقت آپؐ نے یہ بات حضرت فاطمہؓ کے گوش گزار کی جیسا کہ حضرت ام سلمہؓ نے روایت فرمائی۔

ان سب روایات سے ہم ایک دائمی اور مستقل نکتہ اخذ کرتے ہیں کہ اس مختصر سورت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ انسانیت کو ایک نہایت اعلیٰ مقام تک بلند کرنا چاہتا ہے۔ وہ کیا سربلندی ہے؟

---ooo---

درس نمبر ۳۱۰ تشریح آیات

۱ -- تا -- ۳

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ
اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
تَوَّابًا ۝۳ ع

۱
۳ ع
۳۵

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

"جب اللہ کی مدد آ جائے اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے نبیؐ) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو' اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو' بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے"۔ اس سورت کی پہلی آیت ہی میں ایک متعین اشارہ ہے' اور یہ اشارہ کائناتی واقعات کے بارے میں ایک خاص تصور پیدا کرتا ہے اور اس تصور میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان واقعات میں اہل ایمان کا کردار کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار کیا ہے۔ اور انسانی زندگی اور ان کائناتی واقعات و حادثات میں اہل ایمان اور نبیؐ کے دائرہ کار کی حد کیا ہے۔ یہ اشارہ اس فقرے میں ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ (۱۱۰ : ۱) "جب اللہ کی مدد پہنچ جائے" میں ہے۔ تمام دارومدار اللہ کی نصرت پر ہے اور اللہ کا وقت مقرر ہے' جس شکل میں نصرت آئے گی وہ بھی متعین ہے' جس مقصد کے لیے یہ نصرت ہو گی وہ بھی مقرر ہے۔ نبی اور اس کے ساتھیوں کا اس کی آمد کے سلسلے میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور نہ ان کا نصرت الٰہیہ میں کچھ کردار ہے۔ نہ اس نصرت کے سلسلے میں ان کی ذاتی کمائی کا کوئی دخل ہے۔ نہ ان کی ذاتوں کا کوئی حصہ ہے۔ یہ نصرت ایک ایسا واقعہ ہے جو اللہ کے فیصلے کے مطابق ان کی شخصیات سے نہیں' باہر سے آتی ہے۔ ان کے لیے یہی اعزاز کافی ہے کہ اللہ یہ نصرت بظاہر ان کے ذریعہ لاتا ہے اور ان کو اس نصرت کا چوکیدار مقرر کرتا ہے اور یہ اس نصرت اور فتح کے امین

Marfat.com
Marfat.com

ہوتے ہیں۔پس فتح و نصرت میں ان کا حصہ یہی ہوتا ہے کہ لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔وہ بھی اور دوسرے لوگ بھی۔

اس اشارے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فکر کی روشنی میں۔اس اعزاز اور تکریم کے حوالے سے جو ان کے ہاتھوں نصرت اور فتح کے ظہور کے سلسلے میں ہوا۔رسول اللہؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کی حیثیت کا تعین ہو جاتا ہے۔ان کی شان اور حیثیت اب یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر سراسر سپاس بن جائیں۔اللہ کی حمد و ثنا کریں اور اپنی کوتاہیوں پر مغفرت کی دعا کریں۔یہ حمد و ثنا اور شکر اس بات پر کہ اللہ نے ان کو اسلامی انقلاب کا امین اور نگران بنایا اور اپنے دین کی نصرت فرما کر اور اسے غالب فرما کر پوری انسانیت پر احسان فرمایا۔رسول اللہ فاتح ہوئے' لوگ فوج در فوج اس خیر کثیر میں داخل ہوئے حالانکہ اس سے قبل وہ اندھے تھے' گمراہ تھے اور سخت خسارے میں تھے۔

استغفار کس لیے' یہ ان نفسیاتی عوامل کے لیے ہے جو نہایت لطیف انداز میں دلوں میں داخل ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔جب کوئی قوت ایک طویل اور ان تھک جدوجہد کے بعد برسراقتدار آتی ہے تو فتح و کامرانی کے نشے میں اس کی نفسیات میں ایک قسم کا غرور چپکے سے داخل ہو جاتا ہے' پھر مشکلات اور قربانیوں کے بعد انسان سے خوشیوں میں کچھ کوتاہیاں بھی ہو جاتی ہیں' ان خفیہ نفسیاتی دائرس سے صرف توبہ و استغفار کے ذریعہ بچا جا سکتا ہے' اس لیے یہاں استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ استغفار اس لیے بھی ہے کہ طویل جدوجہد کے زمانے میں ان تھک حالات کے نتیجے میں شدید مشکلات اور نہایت گھبرے کر ہناک حالات کی وجہ سے انسانی قلب میں گھٹن آ جاتی ہے۔انسان سمجھتا ہے کہ اللہ کی نصرت کے پہنچنے میں دیر ہو گئی ہے' اور داعی کو ہلا مارا جاتا ہے۔جیسا کہ بقرہ (۱۱۴) میں کہا گیا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (۲:۲۱۴) "کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں ان حالات سے سابقہ پیش نہیں آیا جن سے تم سے پہلے اہل ایمان کو سابقہ پیش آیا تھا۔وہ فقر و فاقہ اور شدائد و آلام سے دوچار ہوئے اور ہلا مارے گئے یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ کے اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی' سنو اللہ کی مدد قریب ہے"۔اس لیے حکم دیا گیا کہ استغفار کرو۔

استغفار کا حکم اس لیے بھی دیا گیا کہ اللہ کی حمد و ثنا میں انسان سے تقصیر ہو جاتی ہے۔پس انسان کی جدوجہد جس قدر بھی زیادہ ہو' وہ محدود ہوتی ہے اور انسان ضعیف ہے۔اور اللہ کی نعمتیں ہمیشہ بے شمار ہیں اور اس کا فیض عام ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (۱۴:۳۴) "اگر تم اللہ کے احسانات کو شمار کرو تو تم ان کا استقصا اور احاطہ نہیں کر سکتے"۔لہٰذا اس تقصیر پر استغفار کا حکم دیا گیا۔

فتح و کامرانی کے موقعہ پر تسبیح و استغفار میں ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ فخر و مباہات کے مقام پر نفس کے اندر یہ شعور پیدا کیا جائے کہ انسان تو ہمیشہ عجز اور تقصیر کے مقام پر ہوتا ہے۔لہٰذا اسے چاہئے کہ وہ بڑوں کی سطح سے ذرا نیچے اتر

Marfat.com
Marfat.com

آئے - اور اپنے رب سے اپنی تقصیرات کی معافی طلب کرے - اس طرح انسانی شعور اور انسانی نفسیات سے فخر و مباہات کے میلانات کا صفایا ہو جاتا ہے -

اگر ایک فاتح کے دل میں یہ شعور بیٹھ جائے کہ وہ عجز اور تقصیر کا پتلا ہے اور اسے اپنی تقصیرات پر اللہ سے دعائے مغفرت کرنا چاہئے تو ایسا فاتح کبھی بھی مفتوح لوگوں پر ظلم اور تعدی کا ارتکاب نہیں کر سکتا - ایسا شخص تو یوں سوچتا ہے کہ یہ تو اللہ کی ذات ہے جس کی نصرت کی وجہ سے وہ ان لوگوں پر مقتدر اعلیٰ بن گیا ہے - اگر اللہ کی نصرت نہ ہوتی تو وہ تو بندۂ ناچیز و پر تقصیر ہے اور اللہ نے جو اس کو اقتدار دیا ہے تو یہ اس لیے دیا ہے کہ اللہ مفتوح لوگوں کے بارے میں کوئی خیر اور بھلائی چاہتا ہے - درحقیقت فتح تو اللہ کی نصرت سے میسر ہوتی ہے - نصرت بھی اس کی ہے اور فتح بھی اس کی ہے اور یہ فاتح کی فتح نہیں بلکہ اللہ کے دین کی فتح ہے - اور تمام امور کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور تمام فیصلے اللہ کی طرف لوٹتے ہیں -

یہ ہے وہ روش اور بلند مرتبہ افق، جس کے اوپر نظریں مرکوز کرنے کے لیے قرآن پوری انسانیت کو دعوت دیتا ہے کہ وہ درجہ بدرجہ اس بلند افق تک بلند ہوتی چلی جائے - جو شرافت اور نیکی کا اعلیٰ مرتبہ ہے - اس تک پہنچ کر انسان بڑا بن جاتا ہے - اس لیے کہ وہ اپنی بڑائی سے دستکش ہو جاتا ہے - یہاں اس کی روح آزاد ہو کر مسرت حاصل کرتی ہے - اس لیے کہ وہ اللہ کی غلامی اختیار کر لیتی ہے -

غرض یہ ایک آزادی ہے جس میں انسان اپنی ذاتی اور مادی بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور انسان اللہ کی روحانی مخلوق میں سے ایک مخلوق بن جاتا ہے اور یہ ایک ایسے مقام تک جا پہنچتا ہے کہ باللہ کی رضا اس کی رضا بن جاتی ہے اور یہ مقام حاصل کرنے کے بعد پھر وہ مجاہد بن جاتا ہے اور اس کی جدوجہد کا رخ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلامی نظام کی صورت میں بھلائی کی نصرت کرے اور حق کو حقیقت بنا دے اور پھر اسلامی نظام کے قیام کے بعد وہ اس زمین کو ایسی ترقی دے اور دنیا کو ایسی قیادت فراہم کرے کہ دنیا شر و فساد سے پاک ہو جائے - یہ قیادت صالح، پاک اور تعمیری ہو - اور اس کا مقصد ہر بھلائی کو پھیلانا اور ترقی دینا ہو - اور اس طرح تمام امور کا رخ اللہ کی طرف پھیر دے -

انسان اگر اپنی ذات کے محدود کنویں کا مینڈک ہو اور اس میں قید ہو تو پھر اس کی آزادی کی مساعی عبث بن جاتی ہیں - وہ آزادی کے بعد اپنی خواہشات کا غلام ہوتا ہے - شہوات اور خواہشات میں گرفتار ہوتا ہے - انسان اگر خواہشات نفسانیہ کے دائرہ نشیب سے آزاد نہ ہو تو دوسری آزادیاں عبث ہیں - اسلام چاہتا ہے کہ دوسری آزادیوں کے ساتھ انسان نفسانی خواہشات سے بھی آزاد ہو جائے تاکہ وہ اللہ کو یاد کرے اور اس کا غلام ہو -

یہ ہیں آداب نبوت، جو نبوت کے ساتھ لازم رہے ہیں اور اللہ کی مرضی یہ ہے کہ انسانیت ان آداب نبوت کے آفاق تک بلند ہو جائے - اور اگر وہاں تک نہ بھی پہنچ سکے تو اس کی نظریں اس افق پر ہوں - دیکھئے یوسف علیہ السلام اس مقام تک پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں - مصر کے تمام خزائن اقتدار ان کے ہاتھ میں آ چکے ہیں - ان کا خواب سچا ہو چکا ہے - انہوں نے جب والدین کو اپنے تخت پر اٹھایا تو بھائیوں نے ان کے سامنے سجدہ کیا، اور حضرت یوسف نے والدین سے کہا کہ باپ! یہ ہے میری خواب کی تعبیر، اللہ نے تو اسے حقیقت بنا دیا - اللہ کا احسان دیکھئے کہ اس نے مجھے قید سے نکالا، آپ لوگوں کو دیہات سے مصر لایا حالانکہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان نزاع ڈال دیا تھا - بے شک میرا رب لطیف تدابیر اختیار کرتا ہے اور وہ حکیم و خبیر ہے -

Marfat.com

نبی کریم پر بھی ہمیشہ یہی علیہ السلام بھی مرفوری اور خوشی اور تبسم کے ساتھ ملتے ہیں اور ہر وقت میں مشغول ہوتے ہیں جس کی وہ تمنا کرتے ہیں۔ وہ قرار کے مرتبے پر ہیں ان کے تمام خواب حقیقت بن گئے ہیں بلکہ ان کی دعوت یہ ہے:

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (۱۲: ۱۰۱) "اے میرے رب! تو نے مجھے اقتدار بھی دیا اور مجھے باتوں کی تہ تک پہنچنے کا علم بھی دیا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے اسلام پر موت دے اور نیکوکاروں کے زمرے میں مجھے شامل کر"۔ یہاں جا کر یہ اقتدار پس منظر میں چلے جاتے ہیں۔ مل و میل اور بہن بھائیوں کا یہ اجتماع اور ایک عرصہ بعد رشتہ داروں اور والدین کی ملاقات کی خوشی کا نور ہو جاتی ہے۔ اب اس آخری منظر میں ہمیں ایک ایسا فرد نظر آتا ہے جو رب تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا رہا ہے اور سوال یہ ہے کہ میرا اسلام محفوظ ہو اور میری سوسائٹی صالحین کے ساتھ ہو۔ اور یہ مرتبہ اللہ کے فضل و کرم سے ہی مل سکتا ہے۔

اب حضرت سلیمان علیہ السلام کے آداب زندگی ملاحظہ ہوں۔ وہ بھی ایسے حالات میں ہیں کہ طرفۃ العین میں ملکہ سبا کا تخت ان کے سامنے ہے۔ دیکھئے قرآن ایسے حالات میں قوت و جاہ کے حالات میں ان کی کیفیات کس طرح ریکارڈ کرتا ہے۔

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ (۲۷: ۴۰) "جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا پایا۔ تو وہ پکار اٹھے یہ میرے رب کے فضل و کرم سے ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا کفران نعمت کا مرتکب ہوتا ہوں۔ اور جو کوئی شکر کرے گا اپنے ہی لیے کرے گا اور جو ناشکری کرے گا میرا رب غنی اور بزرگ ہے"۔

اور یہی تھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روش۔ آپ نے اپنی پوری زندگی میں یہی ادب اختیار کیا اور نصرت و فتح کے موقعہ پر جسے اللہ نے آپ کے لیے خاص علامت قرار دیا تھا۔ تو حضور اپنی سواری کے اوپر جھکے ہوئے جا رہے تھے۔ آپ مکہ میں اسی طرح سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے۔ آج آپ اس مکہ میں جس نے آپ کو اذیتیں دی تھیں، جس نے آپ کو گھر سے نکالا تھا۔ جس نے آپ کے ساتھ پے در پے جنگیں لڑیں، جو آپ کی دعوت کی راہ میں معاندانہ طور پر ڈٹ گیا تھا۔ جب آپ کو نصرت اور فتح نصیب ہوئی تو آپ نے فتح و کامرانی کے شادیانے نہ بجائے۔ آپ رب کا شکر ادا کرتے ہوئے جھکے جا رہے تھے۔ حمد و ثنا میں مشغول تھے اور جس طرح رب تعالیٰ نے آپ کو تلقین کی تھی۔ آپ تسبیح و تہلیل اور استغفار کر رہے تھے۔ جیسا کہ آثار میں آتا ہے کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ کا رویہ بھی ایسا ہی رہا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

یوں بشریت ایمان کے ذریعہ سربلند ہوئی۔ انسانیت کا چہرہ روشن ہو گیا۔ وہ صاف و شفاف ہو گئی۔ اب انسانیت عظمت، قوت اور آزادی کے مقام بلند تک پہنچ گئی۔

---ooo---

Marfat.com
Marfat.com

فی ظلال القرآن

جلد ششم

پارہ --- ۳۰

سورۂ اللھب ۔ ۱۱۱

۱--- تا --- ۵

Marfat.com
Marfat.com

سورۂ اللھب ایک نظر میں

ابولہب کا نام عبدالعزی ابن عبدالمطلب تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ ''ابولہب'' کے نام سے اس لیے مشہور ہوگیا کہ وہ شعلے کی طرح سرخ چہرہ رکھتا تھا۔ یہ اور ان کی بیوی' ام جمیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ اذیت دیتے تھے۔ اور دعوت اسلامی کے جانی دشمن تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حسین ابن عبداللہ بن عبید اللہ ابن عباس نے بتایا' کہتے ہیں میں ربیعہ ابن معاذ دیلمی کو یہ کہتے سنا ''میں اپنے والد کے ساتھ تھا اور جوان تھا کہ ایک نوجوان شخص (رسول اللہؐ) کو میں دیکھ رہا تھا کہ وہ ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے ہیں (اور ان کے پیچھے ایک دوسرا شخص ہے جو حسین و جمیل ہے اور بڑے بڑے بالوں والا ہے اور بھینگا ہے) اور کہتے ہیں: ''اے بنی فلاں میں تمہاری طرف اللہ کی طرف سے رسول بناکر بھیجا گیا ہوں۔ میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ صرف اللہ کی بندگی کرو' اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' میری تصدیق کرو' اور میری حمایت و مدافعت کرو تاکہ میں اس چیز کو نافذ کرسکوں جس کے ساتھ مجھے اللہ نے رسول بناکر بھیجا ہے''۔ یہ نوجوان جب اپنی بات سے فارغ ہوتا تو اس کے پیچھے کھڑا یہ دوسرا شخص یہ کہتا ''اے بنی فلاں یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ تم لات اور عزیٰ کو چھوڑ دو' اور بنی مالک ابن اقمس کے ان دوستوں کو بھی چھوڑ دو جو تمہارے حلیف ہیں اور اس بدعت اور گمراہی کو قبول کرلو جو یہ لے کر آیا ہے۔ اس کی بات نہ سنو اور نہ اس کی اطاعت کرو''۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ شخص کون ہے؟ تو انہوں نے کہا ''یہ ان کا چچا ابولہب ہے۔ (امام احمد و امام طبرانی)

یہ ایک نمونہ ہے ابولہب کی سازشوں کا جو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے خلاف کرتا رہتا تھا۔ ام جمیل' اس کی بیوی اس سلسلے میں اس کی معاون تھی۔ ان کی مہم نہایت ظالمانہ اور شدید تھی۔ ام جمیل کا نام اروی بنت حرب ابن امیہ ہے۔ یہ ابو سفیان کی بہن تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی دعوت کے خلاف ابولہب کا یہ رویہ اول روز سے تھا۔ امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ' حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ وادی بطحا کی طرف نکلے اور ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور پکارا ''باصباحاہ'' اس پر قریش سب کے سب پہاڑ پر جمع ہوگئے۔ تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ اگر میں تم سے کہوں کہ دشمن تم پر صبح کو حملہ کرنے والا ہے یا شام کو تو کیا تم میری بات کی تصدیق کروگے؟ تو انہوں نے کہا ''ہاں''۔ تو آپؐ نے فرمایا ''سنو میں تمہیں ایک شدید عذاب سے ڈراتا ہوں جو تم پر آنے والا ہے۔ اس پر ابولہب نے کہا ''کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا تم ہلاک ہو جاؤ''۔ اس پر اللہ نے یہ سورت نازل کی۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱۱۱:۱) ''ٹوٹ گئے ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ ہلاک ہوا''۔

Marfat.com
Marfat.com

ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ اٹھا اور اپنے ہاتھ جھاڑنے لگا اور اس نے کہا ہلاکت ہو تم پر سارا دن؟ کیا تم نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا تو اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

جب بنو ہاشم نے ابو طالب کی قیادت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا فیصلہ کیا' اگرچہ انہوں نے آپؐ کے دین کو قبول نہ کیا تھا لیکن عصبیت کے اصولوں کے مطابق انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا فیصلہ کیا تو ابولہب بنو ہاشم سے نکل گیا۔ اور اس نے آپؐ کے خلاف قریش کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ کیا۔ اور جب انہوں نے حضور اکرمؐ اور بنو ہاشم کے ساتھ مقاطعہ کیا اور اس سلسلے کی تحریر پر ابولہب نے بھی دستخط کیے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بنو ہاشم کو قحط سے ڈرا کر اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے کر دیں۔

آپؐ کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں کی منکوحہ تھیں۔ یہ رشتہ بعثت سے قبل ہوا تھا۔ ابولہب نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ ان کو طلاق دے دیں تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خاندانی بوجھ بڑھ جائے۔

یوں ابولہب اور ان کی بیوی ام جمیل نے آپؐ کے خلاف شدید جنگ جاری رکھی ہوئی تھی۔ یہ دونوں دعوت اسلامی کے شدید دشمن تھے اور یہ جنگ انہوں نے اپنی پوری زندگی جاری رکھی۔ کسی وقت بھی اس میں انہوں نے کوئی رو رعایت نہ کی۔ ابوجہل کا گھر حضور اکرمؐ کے گھر کے قریب تھا اس لیے آپؐ کو اذیت دینے کے مواقع بھی اس کو بہت ملتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ ام جمیل کانٹے جمع کرتی اور حضورؐ کے راستے میں رکھ دیتی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ لکڑیاں اٹھانا حضورؐ کے خلاف فتنے اٹھانے۔ آپؐ کو اذیت دینے اور آپؐ کے خلاف سازشیں کرنے سے استعارہ ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

درس نمبر ۱۱۳ تشریح آیات

۱-- تا-- ۵

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى
نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥ ع ۵

Marfat.com
Marfat.com

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

''ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور (اس کے ساتھ) اس کی جورو بھی' لگائی بجھائی کرنے والی' اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی''۔

یہ سورت اللہ کی طرف سے اس لیے نازل ہوئی کہ ابولہب اور اس کی بیوی کی طرف سے برپا کی ہوئی جنگ میں حضور کی حمایت کی جائے۔ گویا یہ معرکہ اللہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱۱۱: ۱) ''ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ''۔ تبت' تباب سے مشتق ہے جس کے معنی ہلاکت' تباہی اور انقطاع کے ہیں۔ یہاں تبت کے معنی ہیں بددعا کے اور دوسرے تب کے معنی ہیں کہ وہ ہلاک ہو گیا تباہ ہو گیا اور اس کا سلسلہ کٹ گیا۔ یہ خبر ہے وقوع بددعا کی۔ سورت کے آغاز ہی میں اس مختصر آیت میں بددعا اور اس کی تکمیل کا مکمل منظر ہے۔ گویا معرکہ ختم ہو جاتا ہے اور پردہ گر جاتا ہے۔

اس کے بعد' آنے والی دوسری آیت میں حقیقت واقعہ کا بیان ہے۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (۱۱۱: ۲) ''اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا''۔ اس کے ہاتھ ٹوٹ گئے' وہ ہلاک و برباد ہو گیا۔ اس کا مال اور اسلام کے خلاف جدوجہد اس کے کچھ کام نہ آئی اور اس کی دولت اور اس کی مکاریاں اسے ہلاکت سے نہ بچا سکیں۔

یہ تو تھا اس کا انجام دنیا میں ۔ آخرت میں اس کا انجام کیا ہو گا؟

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (۱۱۱ : ۳) "ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا"۔ لہب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آگ بہت شدید اور شعلہ بار ہو گی اور سخت بھڑکی ہوئی ہو گی۔

وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (۱۱۱ : ٤) "اور اس کی جورو لکڑیاں اٹھانے والی" بھی اس آگ میں ڈالی جائے گی' اس حال میں کہ وہ لکڑیاں اٹھائے ہوئے ہو گی اور اس حال میں کہ۔

فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (۱۱۱ : ٥) "اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہو گی"۔ اور اس رسی کے ساتھ اسے آگ میں باندھ دیا جائے گا یا یہ رسی وہ ہو گی جس کے ساتھ لکڑیاں باندھی جاتی ہیں۔ اگر اس کا حقیقی معنی لیا جائے تو وہ وہاں بھی لکڑیوں اور کانٹوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے جہنم میں جائے گی اور اگر مجازی معنی لیا جائے تو معنی یہ ہو گا جو شرارت کی آگ کو بھڑکاتی ہے۔ اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کی سعی کرتی ہے۔

اس سورت کا طرز ادا اس کے موضوعات اور معانی کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ سورت کی فضا کے مناسب طرز تعبیر اختیار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں میری کتاب "قرآن میں مناظر قیامت" سے چند سطریں یہاں نقل کرنا ضروری ہیں۔ ان کا یہاں نقل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس سورت کے نزول سے ام جمیل کے دل میں ایک ایسا تیر لگا جس کی وجہ سے وہ برافروختہ ہو گئی اور پاگل ہو کر رہ گئی۔

"ابولہب (شعلوں کا باپ) ایک ایسی آگ میں تپایا جائے گا جو شعلہ زن ہو گی اس کی عورت جو حضورؐ کی راہ میں خاردار جھاڑیاں لاکر ڈالتی تھی وہ جہنم میں اس حال میں گرائی جائے گی کہ اس کے گلے میں مونجھ کی رسی بندھی ہو گی"۔

"الفاظ بھی باہم متناسب اور صوتی ہم آہنگی رکھنے والے' تصاویر بھی باہم یک رنگ' بس جہنم میں اس کو گرایا جائے گا وہ شعلہ بار ہے۔ اس میں شعلوں کے باپ (ابولہب) کو گرایا جائے گا۔ اس کی عورت لکڑیاں لاتی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں ڈالتی ہے اور آپؐ کو ایذائیں دیتی ہے' خواہ حقیقی معنی لیا جائے یا استعارہ۔ لکڑیوں سے آگ کو بھی بھڑکایا جاتا ہے اور ان لکڑیوں کو رسیوں میں باندھ کر لایا جاتا ہے۔ اس لیے جہنم شعلہ زن میں اسے مونجھ کی رسی سے باندھ دیا جائے گا۔ اور اسے اس رسی سے باندھ دیا جائے گا جس سے وہ لکڑیاں لاتی تھی۔ تاکہ سزا ایسی ہو جیسا اس کا جرم تھا۔ اور یہ تصویر اپنے سادہ رنگوں کے ساتھ سامنے آئے اور اس کے رنگ میں لکڑیاں' رسی' آگ اور شعلے ہوں۔ اور اس آگ میں میاں بیوی دونوں تپ رہے ہیں"۔

ایک دوسرے زاویہ سے بھی اس سورت میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ الفاظ کی صوتی جھنکار' لکڑیوں کے گٹھے کے باندھنے کی آواز اور گردن کو رسی سے باندھنے کی آواز بھی باہم یکساں ہیں۔ ذرا پڑھیے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱۱۱ : ۱) ان الفاظ میں شد کی صوتی درشتگی ایسی ہی ہے جس طرح لکڑیوں کے گٹھے کو باندھنے میں سختی ہوتی ہے۔ جس طرح یہ الفاظ شدید ہیں اسی طرح گردن میں رسی باندھنے کا عمل اور

Marfat.com
Marfat.com

اسے کھینچا شدید ہے۔اور پوری سورت میں اسی طرح کی کشمکش کی فضا ہے"۔

اس طرح صوتی ترنم' عملی کشاکش کی آواز' اور سورت کی حرکات کی جزئیات کے درمیان گہری مناسبت اور ہم آہنگی ہے۔پھر الفاظ بھی ہم جنس 'اور تعبیر میں یکسانی کا لحاظ 'سب کے سب سورت کی فضا کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔پھر یہ تمام چیزیں سبب نزول اور سورت کے پس منظر کے ساتھ بھی جڑی ہوئی ہیں۔یہ سب فنی خوبیاں صرف پانچ مختصر فقروں میں ملحوظ خاطر رکھی گئی ہیں اور قرآن کی مختصر ترین سورتوں میں سے ایک میں اس فنی کمال کو ظاہر کیا گیا ہے۔

اس سورت کی ان فنی خوبیوں کی وجہ سے اور بے پناہ اثر کی وجہ سے ام جمیل کا تاثر یہ تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں اس کی ہجو کی ہے۔یہ سورت فوراً مکہ میں پھیل گئی تھی 'جس میں میاں بیوی کی مذمت کی گئی تھی' ان کو دھمکی دی گئی تھی اور نہایت بھدی تصویر کھینچی گئی تھی۔یہ ایسی تصویر کشی تھی جس نے ایک خود پسند عورت کے دل کو چور چور کر دیا۔جسے اپنے نسب و حسب پر بہت ہی غرور تھا۔جو اپنے آپ کو بہت ہی اونچے گھرانے کی عورت سمجھتی تھی۔لیکن قرآن نے اس کی تصویر کشی یوں کی:

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (٤) فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ (۱۱۱: ۵) "عورت' جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے اور جس کے گلے میں چھال کی رسی بندھی ہوئی ہے"۔یہ نہایت ہی عام صورت حالات ہے جو عربوں میں عام تھی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ تک یہ تذکرہ پہنچا ہے کہ ام جمیل حمالۃ الحطب نے جب اس سورت کے نزول کے بارے میں سنا کہ یہ اس کے بارے میں اور اس کے خاوند کے بارے میں نازل ہوئی۔یہ گئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔اس کی مٹھی پتھروں سے بھری ہوئی تھی' جب یہ ان دونوں کے پاس آکر کھڑی ہوئی تو اللہ نے اس کی آنکھوں پر اس طرح پردہ ڈال دیا کہ وہ صرف ابوبکر کو دیکھ سکتی تھی۔تو اس نے کہا: "ابوبکر کہاں ہے تمہارا ساتھی' مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے۔خدا کی قسم اگر وہ مجھے ملتا تو میں ان پتھروں سے اسے مارتی۔خدا کی قسم میں بھی تو شاعرہ ہوں اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھا

مذمما عصینا و امره ابینا

وہ محمد نہیں بلکہ مذمت کیے ہوئے ہیں' ہم نے ان کی نافرمانی کی ہے اور ان کے احکام ماننے سے انکار کر دیا یا ان کے دین کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

یہ واپس چلی گئی۔حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہؐ سے کہا: کیا اس نے آپؐ کو نہیں دیکھا۔آپؐ نے فرمایا "اس نے مجھے نہیں دیکھا' اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر کو مجھ سے کھینچ لیا تھا"۔

حافظ ابوبکر بزار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔حضرت ابن عباسؓ سے 'جب سورہ

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱۱۱: ۱) نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی حرم میں آئی۔اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرتؐ ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔حضرت ابوبکرؓ نے کہا حضورؐ اگر

Marfat.com
Marfat.com

آپؐ ایک طرف ہو جائیں تو یہ آپؐ کو اذیت نہ دے سکے گی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا"۔ یہ آئی اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس کھڑی ہو گئی اور کہا: "ابوبکر تمہارے ساتھی نے ہماری ہجو کی ہے"۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "اس گھر کی قسم انہوں نے ایسا نہیں کیا' وہ نہ شعر کہتے ہیں اور نہ ہی پڑھتے ہیں"۔ تو اس نے کہا آپؓ تو سچے ہیں۔ جب واپس گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "حضورؐ کیا اس نے آپؐ کو نہیں دیکھا؟ تو آپؐ نے فرمایا "جب تک وہ کھڑی رہی فرشتے مجھ پر ستر پھیلاتے رہے جب تک وہ چلی نہیں گئی"۔

غرض اس کا پارہ اس قدر چڑھ گیا تھا کیونکہ یہ سورت پھیل گئی تھی' اس نے اسے اپنی ہجو سمجھا۔ اس زمانے میں ہجو صرف اشعار میں ہوتی تھی۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے جائز طور پر ہجو کی تردید کر دی۔ اور وہ بہت سچے مانے جاتے تھے لیکن ان آیات میں اس کی جو حقارت آمیز تصویر کشی کی گئی ہے وہ اس دائمی کتاب میں ریکارڈ کر دی گئی ہے۔ اللہ کی کتاب بھی لازوال ہے اور ان دونوں کی مذمت بھی لازوال ہو گئی۔ اور یہ ایسی تصویر ہے جو ایک بولتی تصویر ہے۔ یہ ہے سزا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی دعوت کے خلاف سازش کرنے کی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ بھی دعوت اسلامی اور داعیان حق کے خلاف اس قسم کی سازشیں کرتے ہیں ان کی قسمت میں دنیا میں بھی ناکامی لکھی ہوئی ہے۔ وہ یہاں بھی ہلاک اور برباد ہوں گے۔ اور آخرت میں بھی وہ ایک سخت سزا پائیں گے۔ یہ ان کی مناسب سزا ہو گی۔ دنیا میں لکڑہاروں کی رسی جس ذلت کی طرف اشارہ کرتی ہے' آخرت میں بھی یہ رسی اس کے گلے میں ہو گی اور یہ ذلت کی کافی نشانی ہو گی۔

---ooo---

Marfat.com
Marfat.com

فی ظلال القرآن

جلد ششم

پارہ --- ۳۰

سورۂ الاخلاص ۔ ۱۱۲

۱--- تا --- ۵

Marfat.com
Marfat.com

سورۃ الاخلاص ایک نظر میں

صحیح روایات میں آتا ہے کہ یہ مختصر سورت پورے قرآن کے ایک تہائی حصے کے برابر ہے ۔امام بخاری فرماتے ہیں : حدیث بیان کی اسماعیل نے ' مالک سے 'انہوں نے عبدالرحمٰن ابن عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن صعصعہ سے 'انہوں نے اپنے والد سے 'انہوں نے ابوسعد سے 'وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو یہ پڑھتے سنا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱۱۲ : ۱) یہ اسے بار بار پڑھ رہا تھا۔جب صبح ہوئی تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا' یہ تذکرہ کرنے والا یہ تاثر دے رہا تھا کہ یہ بہت کم ہے جو پڑھنے والا پڑھ رہا تھا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے 'یہ سورت تو ایک تہائی قرآن کے برابر ہے"۔

یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے اس لیے کہ جس توحید کے اعلان کرنے کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱۱۲ : ۱) "کہہ دو کہ وہ اللہ یکتا ہے"۔یہ عقیدہ توحید انسانی ضمیر کا بھی عقیدہ ہے' یہ اس کائنات کی تفسیر بھی ہے اور یہ زندگی کا ایک نظام بھی ہے لہٰذا یہ سورت اسلامی نظام زندگی کے اہم ترین خطوط کا ایک بنیادی نقشہ پیش کرتی ہے۔

---ooo---

Marfat.com
Marfat.com

درس نمبر ۱۲۳ تشریح آیات

۱ -- تا -- ۴

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ
۱
لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴
ع ۴

۳۷

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

"کہو' وہ اللہ ہے 'یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے"۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱۱۲ : ۱) "کہو' وہ اللہ ہے یکتا"۔ احد کا لفظ واحد سے زیادہ گہرا ہے کیونکہ احد' واحد کے مفہوم پر مزید اضافہ کرتا ہے 'کہ اس کے ساتھ اور کوئی چیز حقیقتاً موجود نہیں ہے اور اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے یعنی وہ یکتا ہے۔

"احد" میں وجود کی احدیت کا اظہار ہے' یعنی اس کی حقیقت کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس کے سوا اور کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔ اللہ کے سوا جس قدر موجودات ہیں وہ اپنا وجود اللہ سے اخذ کرتی ہیں اور وہ اپنی حقیقت اللہ کی حقیقت سے لیتی ہیں۔ وہ فاعلیت میں بھی یکتا ہے لہٰذا اللہ کے سوا اس پوری کائنات میں کوئی اور موثر اور کوئی اور فاعل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ایک نظریہ اور عقیدہ ہے جو انسان کے ضمیر میں جاگزیں ہوتا ہے اور یہ دراصل اس کائنات کی تفسیر بھی ہے۔ جب کسی دل میں یہ عقیدہ بیٹھ جاتا ہے اور عقل اس کا تصور کر لیتی ہے۔ اور اس پوری کائنات کی تفسیر اس کی روشنی میں ہو جاتی ہے تو انسانی دل پر کوئی اور تصور نہیں چھاتا اور انسانی قلب میں کسی اور سوچ کا شائبہ نہیں رہتا۔ اور انسانی قلب اس واحد ذات واجب الوجود کے سوا کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا' کیونکہ دراصل موجود تو یہی ذات یکتا ہے اور فعال اور مؤثر بھی یہی واحد ذات ہے۔

پھر اس کائنات میں جو چیزیں بھی پائی جاتی ہیں ان کے ساتھ قلب انسانی کا رابطہ ختم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ہونا یہ چاہئے تھا

Marfat.com
Marfat.com

کہ انسانی دل سے ماسوی اللہ کے وجود کا شعور ہی ختم ہو جائے ۔اگر یہ شعور ختم نہ بھی ہو' تعلق ختم ہو جاتا' اس لیے کہ اللہ کے وجود کے سوا تمام دوسری اشیاء کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے ۔اور اس پوری کائنات میں اللہ کے ارادے کی فاعلیت اور تاثیر کے سوا کوئی اور چیز فعال اور موثر بھی نہیں ہے ۔ لہٰذا عقیدۂ توحید کے بعد قلب انسانی کسی ایسی چیز سے کیوں متعلق ہو جو نہ حقیقتاً موجود ہے اور نہ کسی چیز میں فعال و موثر ہے ۔

اب جب دل الٰہ یکتا کے سوا تمام اشیاء کی حقیقت کے تصور ہی سے خالی ہو گیا اور اس میں ماسوی اللہ سے تعلق ہی نہ رہا۔ تو اب یہ دل صحیح معنی میں آزاد ہوتا ہے' وہ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے ۔اس دل کی تمام خواہشات ختم ہو جاتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ خواہشات ہی دراصل پاؤں کی زنجیریں ہوتی ہیں ۔پھر خوف بھی اس دل سے ختم ہو جاتا ہے اور یاد رہے کہ اس خوف کی وجہ سے بھی انسان پابند سلاسل ہو جاتا ہے ۔انسان کے دل سے مرغوبات کیوں ختم ہو جاتی ہیں اس لیے کہ جب وہ اللہ کو پا لیتا ہے تو وہ سب کچھ پا لیتا ہے اور وہ ڈرتا اس لیے نہیں کہ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی فعال نہیں ۔

جب انسانی شعور میں یہ حقیقت اچھی طرح بیٹھ جائے کہ انسان کو اس کائنات میں صرف اللہ کی حقیقت نظر آتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اس کائنات میں انسان کو جو وجود نظر آئے گا اس میں بھی اسے یہی حقیقت نظر آئے گی ۔اس طرح پھر انسانی قلب کو ہر چیز میں دست قدرت نظر آتا ہے اور اس کے بعد پھر انسان اس درجے پر فائز ہوتا ہے کہ اسے اس کائنات میں اللہ کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا ۔

اس عقیدے اور تصور کے نتیجے میں انسان سوچنے لگتا ہے کہ ظاہری اسباب بھی ہیچ ہیں ۔اصل اور حقیقی سبب مسبب الاسباب ہے یعنی ذات باری تعالیٰ ۔یہ وہ نکتہ ہے جس کی طرف قرآن نے بہت توجہ کی ہے اور اسے اسلام کی ایمانیات میں داخل کر کے ذہنوں میں بٹھانے کی سعی کی ہے ۔چنانچہ ظاہری اسباب کو برطرف کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ اصل سبب مشیت الٰہیہ ہے ۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (۸ : ۱۷) "جب تم نے پھینکا تو دراصل تم نے نہیں پھینکا مگر اللہ نے پھینکا" ۔اور آل عمران (۱۲۶) میں یہ کہا گیا :

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (۳: ۱۲۶) "فتح و نصرت صرف اللہ کی طرف سے ہے" ۔ اور الدھر (۳۰) میں ہے ۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (۷۶: ۳۰) "اور تم نہیں چاہتے الا یہ کہ اللہ چاہے" ۔اسی طرح کی بے شمار اور آیات ہیں ۔

جب انسان اسباب ظاہری کو برطرف کر دیتا ہے تو پھر اسے نظر آتا ہے کہ تمام امور اللہ کی مشیت سے طے پاتے ہیں ۔ پھر اس سے اس کے دل میں اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اب وہ تمام مرغوبات اللہ سے طلب کرتا ہے اور تمام مکروہات سے بچنے کے لیے اللہ کے ہاں پناہ ڈھونڈتا ہے اور ظاہری عوامل' ظاہری اسباب اور موثرات جو کچھ کرتے نظر آتے ہیں' اس کائنات میں ان کی کوئی حقیقت اس کی نظروں میں نہیں ہوتی ۔

Marfat.com

یہ تھے وہ مقامات جن کو عبور کرنے کی سعی صوفیاء کرتے رہے۔ لیکن ان مقامات کی کشش ان کو کہیں دور ہی لے گئی۔ صوفیا اس بات کو سمجھ نہ سکے کہ اسلام لوگوں کو بلا کر ان مقامات بلند تک ضرور لے جاتا ہے لیکن وہ ان کو اس دنیا کی عملی زندگی کے تمام نشیب و فراز کے اندر رکھتے ہوئے اور ہر طرح کی انسانی زندگی کے اندر رہتے ہوئے اور اس زمین پر اللہ کی نیابت کے فرائض کی ادائیگی کرتے ہوئے ان مقامات تک پہنچاتا ہے۔ وہ اس دنیا کی زندگی میں بھرپور حصہ بھی لیتے ہیں اور اسے ہیچ بھی سمجھتے ہیں۔ وہ اس کائنات میں رہتے ہیں لیکن وہ حقیقی موجود صرف اللہ کو سمجھتے ہیں۔ وہ تمام واقعات و حادثات میں فعال اور موثر اللہ کو سمجھتے ہیں۔ اور اس طریقے کے سوا اسلام کوئی دوسرا طریقہ نہیں اپناتا' نہ چاہتا ہے۔ پس اس کے نتیجے میں ایک مکمل نظام زندگی وجود میں آتا ہے۔ یہ نظام اس کائنات کی اس تشریح اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے شعور' تصورات اور رجحانات کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اس نظام زندگی کے خدوخال کیا ہیں؟

(۱) اس نظام کا ایک اپنا نظام عبادت ہے جس میں صرف اللہ کی بندگی کی جاتی ہے۔ وہ اللہ جس کے وجود کے سوا کسی وجود کی کوئی حقیقت نہیں' جس کی فاعلیت کے سوا کوئی اور فاعلیت نہیں۔ اور اس کے ارادے کے سوا کسی اور کا ارادہ موثر نہیں۔

(۲) یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں ایک انسان ہر حالت میں' امید میں اور خوف میں صرف اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ خوشی اور غم میں' امیری اور فقیری میں' غرض ہر حال میں اس کا رخ صرف اللہ وحدہ کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس نظام میں ہر شخص یہ جانتا ہے کہ جب اللہ کے سوا کسی اور چیز کا وجود ہی حقیقی نہیں۔ تو پھر اس کی طرف توجہ اور پکار کا فائدہ کیا ہو گا۔ جب اللہ کے سوا اور کوئی نہ فاعل ہے اور نہ موثر تو پھر اس کی طرف توجہ سے حاصل کیا ہو گا۔

(۳) یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں ہدایات صرف اللہ سے لی جاتی ہیں۔ عقائد و نظریات' اقدار اور پیمانے' شریعت اور قانون' ادارے اور انتظام' رسوم و رواج' آداب و تقالید سب کی سب اللہ سے ماخوذ ہوتی ہیں۔ لہٰذا ہر قسم کی ہدایت اور رہنمائی صرف اللہ وحدہ سے لی جاتی ہے۔ جو حقیقت واقعہ میں بھی اور ایک مسلم کے ضمیر میں بھی واحد موجود ہے۔

(۴) یہ نظام ایک نظام تحریک اور عمل ہے۔ اور یہ تحریک و عمل صرف اللہ وحدہ کے لیے ہے۔ اس کی رضا کے حصول کے لیے اس کے قرب کے حصول کے لیے۔ اس امید پر کہ اس تک پہنچنے کی راہ میں تمام پردے اور رکاوٹیں دور ہوں گی۔ اور گمراہی کے تمام شوائب سے انسان محفوظ ہو گا' چاہے یہ پردہ اور رکاوٹیں نفس انسانی کے اندر ہوں' یا انسانی ماحول کی چیزوں اور انسانوں کی طرف سے ہوں۔ جن میں خود انسان کی ذلت' انسان کا خوف اور اس کی خواہش اور اس دنیا میں اس کی مرغوب اشیاء سرفہرست ہیں۔

(۵) یہ ایک ایسا نظام ہے کہ مذکورہ بالا امور کے ساتھ ساتھ وہ قلب بشری اور اس کائنات کی تمام موجودات کے درمیان' محبت' انس' تعاون' یگانگت کا تعلق پیدا کرتا ہے۔ اس لیے کہ دنیا کے بندھنوں سے آزادی کے معنی یہ نہیں کہ انسان اس کو مکروہ سمجھے' اس سے نفرت کرے' اس سے بھاگے اور اس کے برتنے سے اجتناب کرے۔ اس لیے کہ دنیا کی اشیاء سب کی سب اللہ کے دست قدرت کے کرشمے ہیں۔ ان کا وجود اللہ کے وجود سے ماخوذ ہے۔ اور سب اشیاء پر اسی حقیقت کی پرتو پڑتی ہے' لہٰذا یہ سب چیزیں محبوب ہیں کیونکہ یہ اللہ کے تحفے ہیں جو حبیب ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

(۶) یہ نظام نہایت بلند اور آزاد نظام ہے' اس کی نظروں میں زمین ایک چھوٹی سی گیند ہے' دنیا کا ساز و سامان بے قیمت ہے اور ان پر دوں اور رکاوٹوں سے آزادی سب کی تمنا ہے لیکن دنیا کی غلامی سے آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان دنیاوی امور سے الگ تھلگ ہو جائے اور اس دنیا کو یونہی مہمل چھوڑ دے۔ یا اس سے نفرت کرے' اور اس سے بھاگے' بلکہ اسلامی نظام کا تقاضا یہ ہے کہ جہد مسلسل ہو' دائمی جدوجہد برپا ہو' انسانیت کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک ترقی دی جائے' اور انسان کی زندگی پوری طرح آزاد اور فری ہو۔ پس دنیا کی زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ منصب خلافت الہیہ ہے جس کی اپنی ذمہ داریاں ہیں لیکن ان ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے انسان ان کا غلام بھی نہیں ہے۔ ان سے آزاد بھی ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تشریح کی۔

دنیا سے چھٹکارے کا ایک تو وہ طریقہ ہے جو گرجوں نے تجویز کیا لیکن اسلام صومعاتی رہبانیت کا قائل نہیں ہے اس لیے کہ انسان نے خلافت ارضی کے فرائض بھی سرانجام دینے ہیں اور انسانوں کو ایک اچھی قیادت کی بھی ضرورت ہے۔ اور یہ دونوں امور انسان کی نجات اور فلاح اور اس دنیا کی غلامی سے چھٹکارے کے لیے ضروری ہیں۔ یہ راہ بہت دشوار ہے۔ یعنی انسان کی انسانیت کا تحقق صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔ اس طرح انسان کی شخصیت میں روحانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ ہے آزادی' انسان کی روح دنیاوی آلائشوں سے آزاد ہو کر اپنے اصلی مصدر کی طرف آزاد ہو جاتی ہے اور انسان کو اللہ نے پیدا کر کے جس دنیا میں چھوڑا ہے اس میں کام کرتے ہوئے بھی وہ اپنی اعلیٰ روحانی مقام اور حقیقت کو برقرار رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسالت کے آغاز میں دعوت کو صرف عقیدۂ توحید تک محدود رکھا گیا اور مندرجہ بالا معنوں میں عقیدۂ توحید کو لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کی کوشش کی گئی کیونکہ اس معنی میں توحید انسانی قلب و ضمیر میں بیٹھا ہوا ایک عقیدہ بھی ہے۔ اس کائنات کی تفسیر و تشریح اور تعبیر بھی ہے اور ایک مکمل نظام حیات بھی ہے۔ اس مفہوم میں عقیدۂ توحید صرف الفاظ نہیں جن کا اقرار زبان سے کر دیا جائے اور صرف انسانی ضمیر و شعور کا پختہ یقین بھی نہیں ہے جو صرف ضمیر و شعور کے اندر ہی پوشیدہ ہو' یہ سب کچھ ہے' پورا دین ہے بلکہ اس عقیدے کی تفصیلات ہیں۔ اس کے کچھ نتائج ہیں اور یہ تفصیلات اور یہ نتائج اس عقیدے کے طبعی اور لازمی نتائج ہیں۔ اور یہ نتائج قوانین طبیعہ کی طرح سامنے آتے ہیں۔ اگر دین میں یہ عقیدہ موجود ہو۔

لل کتاب کے اندر جو انحراف پیدا ہوا' جس نے ان کے عقائد و تصورات' ان کی عملی زندگی کو برباد کر دیا' اس کا آغاز بھی پہلے پہل حقیقی عقیدۂ توحید کے مٹ جانے کی وجہ سے ہوا۔ عقیدۂ توحید کے مٹنے کے بعد پھر دوسرے انحرافات پیدا ہوئے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسلام کے نظریہ توحید کی امتیازی شان یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کے اندر نہایت گہرائی تک اترتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسانوں کی پوری زندی اس عقیدے پر استوار ہو' اور انسانوں کی زندگی کا عملی نظام پورے کا پورا عقیدۂ توحید کی اساس پر قائم ہو۔ جس طرح اس کے اثرات تصورات و عقائد میں ہوں اسی طرح شریعت و قانون میں بھی ہوں۔ اور اس طرح کے آثار میں سے بڑا اثر اور اس کے نتائج میں سے بڑا نتیجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی پر شریعت الہیہ کی حکمرانی ہو۔ اگر اقرار توحید کے بعد یہ آثار نمودار نہ ہوں تو یہ سمجھا جائے گا کہ عقیدۂ توحید موجود نہیں ہے۔

Marfat.com

اس لیے کہ اسلام کا عقیدۂ توحید جب دل میں اترتا ہے تو وہ ارکان حیات اور نظام حیات اور اعمال کی شکل میں اگتا ہے۔

اس کا مفہوم کہ اللہ "احد" ہے' یہ ہے کہ وہ "صمد" ہے' یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں۔اور سب اس کے محتاج ہیں۔ اور یہ کہ نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔اور اس جیسا کوئی نہیں ہے۔ لیکن "احد" کے بعد ان دوسرے مفاہیم کو محض وضاحت کے لیے الگ ذکر کیا گیا ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۱۱۲ : ۲) "اللہ سب سے بے نیاز ہے"۔ صمد کا لغوی معنی ہیں وہ جس کی اجازت کے بغیر کوئی امر طے نہ ہوتا ہو اور اللہ تو وہ سردار ہے جس کے سوا کوئی سید اور سردار نہیں ہے۔وہ اپنی الوہیت میں یکتا ہے اور سب اس کے غلام ہیں۔اور وہی وحدہ قاضی الحاجات ہے۔ وہی ہے جو ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہے' اور ہر بات کا فیصلہ اس کے حکم سے ہوتا ہے اور اس فیصلے میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوتا۔اور یہ مفہوم خود لفظ احد میں بھی مکمل طور پر موجود ہے۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (۱۱۲ : ۳) "نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے"۔ اللہ کی ذات وہ حقیقت ہے جو ازلی اور ابدی ہے۔ اور اس کی ذات ایک حال سے دوسرے حال میں بدل نہیں سکتی۔ اس کی صفت یہ ہے کہ وہ کامل مطلق ہے اور تمام حالات میں ذات باری کامل ہوتی ہے۔ولادت کا عمل سب کو معلوم ہے کہ پھٹنے اور بڑھنے سے عبارت ہے۔ عدم سے وجود میں آنا یا نقص سے کمال کی طرف بڑھنا دراصل ولادت کی علامات ہیں اور اللہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ پھر ولادت کے لیے زوجیت کی ضرورت ہے اور پھر زوجہ ہمیشہ زوج اور خاوند کی ہم جنس ہوتی ہے۔اور یہ بھی اللہ کے لیے محال ہے' اور خدا کے احد ہونے کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ بیٹا۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (۱۱۲ : ٤) "اور کوئی اس کا ہمسر نہیں"۔ نہ اس کا کوئی مماثل ہے اور نہ برابر ہے۔ نہ وجود کی حقیقت کے اعتبار سے' نہ فاعلیت کے اعتبار سے' اور نہ اللہ کی کسی ذاتی صفت میں۔اور یہ بات بھی لفظ "احد" میں موجود ہے۔ وہ چونکہ احد ہے اس لیے اس کا کوئی کفو نہیں ہے۔ یہ سب فقرے "احد" کی تاکید و تشریح ہیں۔ یہ عقیدہ اس زرتشتی عقیدے کی تردید کرتا ہے کہ اللہ خیر کا الٰہ ہے اور شر کا الٰہ کوئی اور ہے۔ یہ ثنائی عقائد کے پیروکاروں کا خود ساختہ عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ ایران میں مروج ہے۔چنانچہ قدیم ایرانی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک خیر کا الٰہ ہے اور دوسرا شر کا الٰہ ہے۔ایک نور کا الٰہ ہے اور دوسرا ظلمت کا الٰہ ہے اور جزیرۃ العرب کے جنوب میں بعض لوگ یہ عقائد رکھتے تھے جہاں ایرانیوں کی حکومت تھی۔

یہ سورت اسلام کے عقیدۂ توحید کو پوری طرح ثابت کرتی ہی۔جس طرح سورۃ الکافرون کا موضوع یہ تھا کہ عقیدۂ توحید اور شرک کے درمیان کوئی مصالحت اور مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا دونوں سورتوں کا موضوع مختلف زاویوں سے عقیدۂ توحید ہی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روز مرہ کے معمولات کا آغاز صبح کی دو سنتوں سے کرتے تھے اور ان میں یہ دو سورتیں پڑھتے تھے۔اور صبح کی سنتوں میں ان کا پڑھنا بامقصد تھا اور یہ بات واضح بھی ہے۔

---oooo---

Marfat.com
Marfat.com

فی ظلال القرآن

جلد ششم

پارہ --- ۳۰

سورۃ الفلق ـ ۱۱۳

۱ -- تا -- ۵

Marfat.com
Marfat.com

سورۂ الفلق ایک نظر میں

یہ سورت اور اس کے بعد آنے والی سورت ابتدا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہدایات ہیں اور اس کے بعد ان کا اطلاق تمام اہل ایمان پر بھی ہوتا ہے کہ تمام خطرات سے بچنے کے لیے اللہ کے حظیرۂ امن میں آجاؤ' اللہ کی حفاظت اور پناہ میں آجاؤ۔ یہ خطرات ظاہری ہوں یا مخفی۔ معلوم ہوں یا مجہول۔ تمام خطرات سے اور خصوصاً فلاں فلاں خطرات سے۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے حظیرۂ امن اور اپنی پناہ گاہ کا دروازہ کھولتا ہے اور نہایت شفقت اور محبت سے ندا دیتا ہے کہ آؤ یہ محفوظ مقام ہے' یہ جائے پناہ ہے تمہارے لیے' تم یہاں مطمئن ہو جاؤ گے۔ آؤ' آؤ میں جانتا ہوں کہ تم ضعیف ہو' تمہارے بہت سے دشمن ہیں' تمہارے لیے پر خطر مقامات ہیں۔ اور یہاں امن' اطمینان ہے اور حفاظت و سلامتی ہے۔

اس لیے دونوں سورتوں کا آغاز یوں ہے :قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱۱۳ : ۱) "کہو' میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی"۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱۱۴ : ۱) "کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی"۔ اس کے نزول کو باتھوں ہاتھ لینے کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ ان روایات سے وہ تبصرہ اور وہ فضا ثابت ہوتی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہایت فرحت و انبساط اور نہایت گہرائی اور کشادگی سے لیا۔

حضرت عقبہ ابن عامر سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :"کیا تم نے ان آیات پر غور کیا جو آج کی رات مجھ پر نازل ہوئیں؟ ایسی آیات اس سے قبل ہرگز نہیں دیکھی گئیں وہ یہ ہیں۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱۱۳ : ۱) اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱۱۴ : ۱) ہیں۔ (مالک' مسلم' ترمذی' ابو داؤد' نسائی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا "اے جابر پڑھو"۔ میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں کیا پڑھوں۔ آپ نے فرمایا :پڑھو'

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱۱۳ : ۱) اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱۱۴ : ۱) میں نے ان کو پڑھا۔ آپ نے فرمایا "انہیں پڑھو ان جیسی سورتیں تم نہ پڑھو گے"۔ (نسائی) زر ابن حبیش سے روایت ہے' کہتے ہیں :میں نے حضرت ابی ابن کعب سے 'معوذتین کے بارے میں پوچھا۔ میں نے کہا "ابو المنذر تمہارے بھائی ابن مسعود ان کے بارے میں یہ یہ کہتے ہیں۔ (حضرت ابن مسعود ان کو اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے۔ لیکن بعد میں وہ صحابہ کرام کی جماعت کی رائے کی طرف پلٹ گئے تھے اور ان کو اپنے مصحف میں لکھ لیا تھا)۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا آپ نے فرمایا مجھ سے کہا گیا "کہو"۔ تو میں نے کہا کہو۔ تو ہم اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضور اکرم نے کہا۔

غرض یہ تمام روایات اس پر مسرت اور پسندیدہ فضا کا اظہار کرتی ہیں جس کا ہم نے تذکرہ کیا۔

درس نمبر ۱۳ تشریح آیات

۱ -- تا -- ۵

سُوْرَةُ الْفَلَقِ (۱۱۳) — اٰیَاتُهَا ۵ — مَكِّيَّةٌ (۲۰) — رُكُوْعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا
وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ ع ۱ ۵

۲۸

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

"کہو' میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی' ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے' اور رات کی تاریکی کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے' اور گرہوں میں پھونکنے والوں (یا والیوں) کے شر سے' اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے"۔

اس سورت میں اللہ اپنی وہ صفات بیان فرماتا ہے' جس کے ذریعہ اس شر سے پناہ حاصل ہوتی ہے' جس کا ذکر اس سورت میں کیا گیا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱۱۳ : ۱) "کہو' میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی"۔ فلق کے معانی میں سے ایک معنی صبح کا ہے اور ایک معنی "مخلوق" کا بھی ہے۔ بلیں معنی کہ ہر وہ چیز جس سے وجود اور زندگی پھوٹتی ہے جس طرح سورہ انعام (۹۵) میں کہا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ (۶ : ۹۵) "اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ زندہ کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالنے والا ہے"۔ اور اگلی آیت (۹۶) میں ہے۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا (۶ : ۹۶) "وہ صبح کو پھاڑ کر نکالنے والا ہے' اس نے رات کو وجہ سکون بنایا۔ اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا"۔

اگر فلق کے معنی صبح کا لیے جائیں تو معنی یہ ہوں گے ۔ صبح کے وہ رب جو روشنی پھیلا کر ہر چیز کو اس شر سے محفوظ کر دیتا ہے جو اندھیروں میں مستور ہوتی ہے اور اگر فلق سے مراد مخلوق ہو تو معنی یہ ہوں گے ۔ پناہ مانگتا ہوں مخلوق کے رب کی جو اپنی مخلوق کے شر سے پناہ دینے والا ہے ۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں مفہوم بعد کے فقرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے ۔

مِن شَرِّ مَا خَلَقَ (۱۱۳ : ۲) "ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی یعنی مطلق اور اجمالاً تمام مخلوق کے شر سے ۔ اللہ کی مخلوقات میں سے بعض جب بعض سے ملتی ہیں تو اس اتصال سے بعض اوقات شر پیدا ہوتا ہے جبکہ بعض حالات میں مخلوقات کے ملاپ اور اتصال سے خیر اور نفع پیدا ہوتا ہے ۔ لہٰذا بتایا جاتا ہے کہ مخلوق کے شر سے پناہ مانگو تاکہ خیر ہی خیر رہ جائے ۔ اور اللہ کی ذات جو اس مخلوقات کی خالق ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اس کو ایسی راہ کی ہدایت دے اور ایسی تدابیر کرے کہ ان سے خیر نمودار ہو اور شر کا ظہور نہ ہو ۔

وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (۱۱۳ : ۳) "اور رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے" ۔ غاسق کے لغوی معنی کودنے والے کے ہوتے ہیں اور وقب پہاڑ کے اس سوراخ کو کہتے ہیں جس سے پانی نکلتا ہے ۔ یہاں غاسق سے مراد رات ہے یعنی رات اور اس میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں یعنی وہ رات جب وہ پھوٹ کر زمین پر چھا جاتی ہے ۔ یہ رات بذات خود خوفناک ہوتی ہے اور اس وقت اس کی خوفناکی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب اس میں ہر خفیہ اور نامعلوم خطرہ درپیش ہو سکتا ہے مثلاً کوئی وحشی درندہ حملہ آور ہو جائے ' کوئی چور گھس جائے ۔ کوئی فریب دہندہ دشمن ہاتھ دکھا جائے ۔ کوئی زہریلا کیڑا کوڑا اور سانپ کاٹ جائے ۔ پھر رات کے وقت خیالات و وساوس انسان پر حملہ آور ہوتے ہیں ۔ دکھ اور درد یاد آتے ہیں ۔ شعور و جذبات اور خواہشات و میلانات کی کمٹن زوروں پر ہوتی ہے ' اور تمام شیطانی قوتیں کھل جاتی ہیں اور ہر طرف سے برے اشارے ملتے ہیں ' اور انسانی شہوت رات کو زوروں پر ہوتی ہے ۔ غرض رات کے وقت ہر ظاہری اور خفیہ بلائیں حملہ آور ہوتی ہیں کیونکہ اس وقت اندھیرے چھائے ہوئے ہوتے ہیں ۔

وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (۱۱۳ : ٤) "اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے" ۔ گرہوں میں پھونکنے والیاں کون ہیں؟ وہ جادوگرنیاں جو انسانی حواس پر سحر انگیزی کر کے اذیت دیتی ہیں جو اعصاب کو دھوکہ دیتی ہیں ' انسانی نفس کو اشارات دیتی ہیں اور انسانی شعور کو متاثر کرتی ہیں ۔ جو دھاگوں میں گرہیں ڈالا کرتی تھیں اور ان میں پھونکا کرتی ہیں جیسا کہ جادوگروں کی عادت ہوتی ہے ۔

جادو چیزوں کی حقیقت اور ماہیت نہیں بدل سکتا ۔ نہ کوئی نئی حقیقت پیدا کر سکتا ہے البتہ احساس و شعور پر ایسی تخیلاتی حالت طاری ہو جاتی ہے جس طرح کہ جادوگر چاہتا ہے ۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں سورہ طٰہٰ (۶۵ تا ۶۹) میں قرآن کریم اس کی تصویر کشی کی ہے ۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی (۶۵) قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی (۶۶) فَاَوْجَسَ

Marfat.com
Marfat.com

فِی نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی (٦٧) قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی (٦٨) وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی (٦٩)

(۲۰: ٦٥ تا ٦٩) "جادوگر بولے: موسیٰ تم پہلے پھینکتے ہو یا ہم پہلے پھینکیں؟ موسیٰ نے کہا: "نہیں تم ہی پھینکو"۔ یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں' ان کے جادو کے زور سے موسیٰ کو دوڑتی محسوس ہونے لگیں اور موسیٰ اپنے دل میں ڈر گیا۔ ہم نے کہا مت ڈرو' تو ہی غالب رہے گا۔ پھینک جو تیرے ہاتھ میں ہے۔ ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو نگل جاتا ہے۔ یہ جو کچھ بنا کر لائے ہیں یہ تو جادو کا فریب ہے۔ اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا خواہ کسی شان سے وہ آئے"۔

ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں سانپ نہ بن گئے تھے۔ البتہ حضرت موسیٰ اور عوام نے یہ خیال کیا کہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ اپنے نفس میں ڈر گئے اور اللہ کی طرف سے ان کو تسلی دینے کی ضرورت پیش آئی۔ لیکن حقائق اس وقت سامنے آئے جب عصائے موسیٰ فعلاً اژدھا بن گیا اور ان کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا۔

یہ ہے حقیقت سحر اور ہمیں چاہئے کہ ہم اسے اسی طرح تسلیم کریں۔ اس طرح یہ جادو لوگوں پر اثر ڈالتا ہے اور جادوگروں کے اشارے کے مطابق لوگوں کے حواس کو متاثر کرتا ہے۔ یہ انسانی نفسیات اور انسانی شعور میں خوف پیدا کرتا ہے اور لوگوں کو اذیت دیتا ہے۔ اور انسانی حواس اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جدھر جادوگر چاہتا ہے۔ جادوگری کی حقیقت بیان کرنے اور گرہوں میں پھونکنے کے مفہوم میں بس یہی کافی ہے۔ یہ ایک شر ہے جس سے بچنے کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی پناہ مانگو اور اللہ کی پناہ میں آ جاؤ۔

بعض روایات میں آتا ہے۔ ان میں سے بعض اگرچہ متواتر نہیں مگر صحیح ہیں کہ لبید بن اعصم یہودی نے مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا' بعض روایات میں آتا ہے کہ اس کا اثر چند دن تک رہا اور بعض میں آتا ہے کہ کئی مہینوں تک رہا۔ یہاں تک کہ آپؐ یہ خیال کرتے کہ آپؐ اپنی بیویوں کے پاس گئے ہیں حالانکہ آپؐ نہ گئے ہوئے تھے۔ اور بعض اوقات یوں محسوس کرتے کہ آپؐ نے کوئی کام کیا ہے' حالانکہ آپؐ نے نہ کیا ہوتا تھا' جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے اور پھر یہ سورتیں اس جادو کے بچانے کے لیے جھاڑ پھونک کے لیے نازل ہوئیں اور جب جادو کی وہ چیز حاضر کر لی گئی اور اس پر یہ سورتیں پڑھی گئیں تو وہ گرہیں کھل گئیں اور وہ برا اثر ختم ہو گیا۔ جس طرح بعض روایات میں آتا ہے۔

لیکن یہ روایات عصمت انبیاء کے بنیادی عقیدے کے خلاف ہیں کہ آپؐ اپنے تمام افعال اور تبلیغ میں معصوم عن الخطاء ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ آپؐ کے اقوال و افعال سنت اور شریعت ہیں۔ یہ روایات اس سے بھی متصادم ہیں۔ پھر قرآن نے صراحت سے اس الزام کی تردید کی ہے کہ آپؐ پر جادو کیا گیا ہے کیونکہ مشرکین یہ الزام لگاتے تھے کہ آپؐ پر کسی نے جادو کر دیا ہے تب آپ یہ باتیں کرتے ہیں۔ اس لیے ہمارے نزدیک یہ روایات مستبعد ہیں۔ پھر خبر واحد کے ساتھ عقائد کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ عقائد کا ماخذ قرآن ہے اور احادیث سے عقائد تب ہی ثابت ہوتے ہیں جب وہ تواتر کی حد تک پہنچ جائیں اور جن روایات کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ متواتر نہیں ہیں۔ مزید یہ کہ راجح قول یہ ہے کہ یہ سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں جس سے ان روایات کی بنیاد ہی کمزور ہو جاتی ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (۱۱۳:۵) "اور حاسد کے شر کے لیے جب وہ حسد کرے"۔ حسد کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کے اوپر اللہ کا کرم دیکھ کر کوئی برا تاثر لے اور یہ خواہش کرے کہ اس بندے پر سے اللہ کی نعمت زائل ہو جائے۔ چاہے اس تاثر کے بعد حاسد اس بندے سے نعمتوں کے دور کرنے کے لیے سعی بھی کرے۔ یا محض ذہنی تاثر کی حد تک رک جائے کیونکہ اس تاثر کے بعد ممکن ہے کہ وہ اس بندے کے خلاف کوئی شر عملاً بھی اٹھائے۔

اس کائنات کے بعض اسرار، نفس انسانی کے بعض راز اور جسم انسانی کے بعض رموز ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں ابھی تک ہمارا علم نامکمل ہے۔ اس لیے ہمیں بہت سختی سے ان کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔ بعض پراسرار واقعات ان میدانوں میں واقع ہوتے ہیں اور ہم ان کی ماہیت تک نہیں پہنچ سکتے۔ مثلاً دور سے خیالات کی منتقلی کا عمل، جب دو افراد کے درمیان رابطہ ہو جاتا ہے، ایسے روابط کی خبریں اس قدر تواتر سے آ رہی ہیں کہ انسان ان میں شک نہیں کر سکتا، کیونکہ اس پر بہت تجربات ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں اور جو معلومات ہمیں دستیاب ہیں ان کی کوئی معقول توجیہ بھی ہمارے پاس نہیں ہے۔ مثلاً مقناطیسی عمل تنویم جو آج کل مکرر تجربے میں آ رہا ہے لیکن اس کے راز سے کوئی واقف نہیں ہے۔ دور سے خیالات کی منتقلی اور مقناطیسی عمل تنویم (ہپناٹزم) کے علاوہ جسم انسانی اور انسانی نفسیات کے بہت افعال جن کی تہہ تک ابھی تک انسان نہیں پہنچا۔

حاسد جدوجہد کرتا ہے اور اپنے اس تاثر کو اس شخص کی طرف بطور شر منتقل کرتا ہے تو ہم اس آثار کی اس منتقلی کا محض اس لیے انکار نہیں کر سکتے کہ ہمارے علم اور ہمارے آلات تجربہ کی رو سے اس انتقال کی کیفیت کو ابھی سمجھ نہیں سکے۔ اس لیے کہ نفس انسانی کے بارے میں ہماری معلومات ابھی تک ابتدائی ہیں اور یہ قلیل علم جو ہمیں حاصل ہوا ہے وہ محض اتفاقی طور پر ہمیں حاصل ہوا ہے۔ اس کو حقیقت کی شکل دینا ابھی تک باقی ہے۔

بہرحال حاسد کا شر ہوتا ہے اور اس سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہیے اور اللہ کی حفاظت میں اپنے آپ کو داخل کرنا چاہئے۔ یہ اللہ کا فضل وکرم ہے کہ وہ اپنے رسولؐ کو ہدایت فرماتا ہے کہ وہ اللہ کی پناہ میں آئیں اور آپؐ کے واسطہ سے آپؐ کے بعد آنے والی پوری امت کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ بھی اللہ کی پناہ میں آئے۔ جو ہر قسم کے شر سے پناہ گاہ فراہم کرنے والا ہے۔

امام بخاری نے، اپنی سند کے ساتھ، حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرمؐ جب رات بستر پر لیٹتے تو دونوں ہتھیلیوں کو ملا لیتے، پھر ان میں۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱۱۲:۱) --- قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱۱۳:۱) --- قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱۱۴:۱) پڑھ کر پھونکتے۔ اور پھر پورے جسم پر ہتھیلیوں کو پھیرتے، جہاں تک ممکن ہوتا۔ سر اور چہرے سے شروع کرتے، اور جسم کے سامنے کے حصے پر جس قدر ممکن ہوتا اور یہ عمل آپؐ تین بار کرتے۔ (اس حدیث کو اصحاب سنن نے اس طرح روایت کیا ہے)۔

---ooo---

Marfat.com
Marfat.com

فی ظلال القرآن

جلد ششم

پارہ --- ۳۰

سورۃ الناس ـ ۱۱۴

۱ -- تا -- ۶

Marfat.com
Marfat.com

درس نمبر ۳۱۴ تشریح آیات

۱ -- تا -- ۶

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ
الْخَنَّاسِ ۙ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾ ع ۱ ۶

۳۹

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

"کہو' میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب' انسانوں کے بادشاہ' انسانوں کے حقیقی معبود کی' اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے' جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے"۔

اس سورت میں پناہ مانگنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ انسانوں کے پروردگار' انسانوں کے بادشاہ' اور انسانوں کے الٰہ کی پناہ گاہ میں پناہ لینے کے اعلان کا حکم ہے اور جس چیز سے پناہ مانگنے کا حکم ہے وہ بار بار وسوسہ ڈالنے والے شیطان کا شر ہے' جو لوگوں کے دلوں تک جا پہنچتا ہے اور وہاں وسوسہ اندازی کا کام کرتا ہے اور جو جنوں سے بھی ہے اور انسانوں سے بھی ہے۔

یہاں رب تعالیٰ کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے یعنی رب' بادشاہ' الٰہ اور معبود' یہ وہ صفات ہیں جو بالعموم شر کا دفعیہ کرتی ہیں اور دفعیہ اس شیطان کے شر سے کیا جاتا ہے جو دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اور بار بار چھپ کر آتا ہے۔

صفت رب کے معنی ہیں' مربی' نگہبان' حامی' ہدایت دینے والا۔ ملک کی صفت کے معنی ہیں حاکم متصرف' مقتدر۔ الٰہ کے معنی ہیں بلند و برتر' خاوی اور مقتدر اعلیٰ۔ یہ وہ صفات ہیں جن میں شر سے بچانے کا عنصر شامل ہے' وہ شر جو دلوں تک خفیہ انداز سے پہنچ جاتا ہے۔ اور انسان کے بس میں یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ اس خفیہ طور پر در آنے والے شر کا دفاع کر سکے۔

اللہ تو سب چیزوں کی پرورش کرنے والا ہے۔ سب کا مالک ہے' سب کا حاکم ہے لیکن یہاں ان صفات کی نسبت الناس کی طرف کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان یہ احساس کریں کہ اللہ کا مقام پناہ اور مقام حفاظت ان کے بہت قریب ہے۔

اور یہ اللہ کا بہت بڑا کرم ہے کہ وہ اپنے حبیبؐ اور اس کی امت کو اس طرف متوجہ کرتا ہے اور اپنے حظیرہ میں پناہ لینے کی دعوت دیتا ہے۔ اور اس دعوت میں اپنی صفات کی یاد دہانی بھی کراتا ہے کہ شیطان کی بعض ایسی خفیہ کارروائیاں بھی ہیں جن کا دفاع تم رب' الٰہ اور بادشاہ عالمین کی مدد کے سوا نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ شیطان ایسے مقام سے حملہ

Marfat.com
Marfat.com

آور ہوتا ہے۔ جس کا تمہیں شعور ہی نہیں ہوتا اور وہ ایسی راہ سے آتا ہے جس راہ سے اس کے آنے کا خیال تک نہیں ہوتا۔ وسوسہ کے معنی نہایت خفیہ آزار کے ہیں۔ خنوس کے معنی ہیں واپس ہو کر چھپ جانے کے ہیں اور خناس وہ ہوتا ہے جو یہ عمل ازروئے فطرت بہت زیادہ کرتا ہے۔ اس آیت میں پہلی صفت کو عمومی انداز دیا گیا ہے۔

الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۱۱۴: ۴) "جو وسوسہ ڈالتا ہے اور جو بار بار پلٹ کر آتا ہے"۔ البتہ وسواس اور خناس کے کام کو متعین کر دیا گیا ہے۔ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ (۱۱۴: ۵) "جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے"۔ اور اس کے بعد اس کی حقیقت کو بھی کھول دیا گیا ہے۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (۱۱۴: ۶) "وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے"۔ یہ ترتیب گفتگو انسان کو بے حد چوکنا کر دیتی ہے۔ انسان فوراً متنبہ اور متوجہ ہو جاتا ہے تاکہ وہ معلوم کرے کہ یہ خطرناک کام کرنے والا کون ہے۔ (کیونکہ آغاز کلام میں اسے عمومی انداز میں بیان کیا گیا ہے)۔ اور یہ اپنے اس خطرناک کام کو کس طرح انجام دیتا ہے۔ تاکہ وہ اس کی مسلسل نگرانی کرے اور اس کے دفاع میں جدوجہد کرے۔

جب نفس انسانی، اس بیداری اور تجسس پر برانگیختہ ہونے کے بعد معلوم کر لیتا ہے کہ یہ وسوسہ اندازی کرنے والا لوگوں کے دلوں میں گھس کر وسوسہ اندازی کرتا ہے اور یہ کام وہ نہایت خفیہ انداز میں اور غیر محسوس طریقے سے کرتا ہے اور جب نفس یہ معلوم کر لیتا ہے کہ یہ جنات میں سے بھی ہے جو ایک خفیہ مخلوق ہے اور یہ انسانوں میں سے بھی ہے جو نہایت خفیہ انداز میں جنوں کی طرح وسوسہ اندازی کرتے ہیں، جس طرح شیطان کرتا ہے۔ تو نفس انسانی اس عمل کی مدافعت کے لیے تیار ہو جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کی کمین گاہ، اس کے مقام حملہ، اور اس کے انداز حملہ کو اچھی طرح جان چکا ہوتا ہے۔

جناتی مخلوق کس طرح حملہ آور ہوتی ہے اور وسوسہ اندازی کرتی ہے۔ اس کے طریقہ کار کو تو ہم اچھی طرح نہیں جانتے۔ البتہ نفس انسانی پر اس کے آثار اور عملی زندگی میں اس کے نتائج کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ آدم و ابلیس کی کشمکش بہت قدیم ہے۔ اور انسانیت کے خلاف اس جنگ کا اعلان تو شیطان نے پہلے سے کر رکھا ہے اور یہ اس داعیہ شر کی وجہ سے ہے جو خود اس کی تخلیق میں موجود ہے یعنی تکبر، حسد اور انسان کے خلاف دشمنی کی وجہ سے۔ اس سلسلے میں اس نے اللہ سے یہ کام کرنے کی مہلت بھی قدیم سے مانگ رکھی ہے اور اسے دے دی گئی ہے اور یہ اجازت اللہ نے اس حکمت کی بنا پر دی ہے جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ لیکن انسان کو بھی اللہ نے اس معرکہ میں، مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا ہے، اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔ اسے ایمان کی ڈھال فراہم کی گئی، اسے ذکر الٰہی کا اسلحہ دیا گیا ہے اور اللہ کی پناہ گاہوں میں داخل ہونے کے لیے مضبوط قلعے دیئے گئے ہیں۔ اگر انسان اپنی ڈھال، اپنا اسلحہ اور اپنے قلعوں کو نظرانداز کر دے تو یہ اس کی اپنی کوتاہی ہوگی اور وہ خود اس کے نتائج کا ذمہ دار ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان انسان کے قلب پر چھا جاتا ہے۔ جب ابن آدم اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو پھر وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ (بخاری)

رہے انسان تو ان کی وسوسہ اندازیوں کے بارے میں ہم بہت کچھ جانتے ہیں اور ان کی بعض کارروائیاں تو ایسی ہیں کہ جو شیطان کی وسوسہ اندازی سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

انسان کے ایک برے ساتھی ہی کو لیجئے۔ یہ اپنے رفیق کے دل میں غفلت کے وقت شرارت کا ایک ذرہ اتار دیتا ہے،

Marfat.com
Marfat.com

اسے خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ کہاں سے حملہ آور ہوا' یہ بیچارہ اس حملے کا دفاع بھی نہیں کر سکتا کیوں کہ دوست تو محفوظ و مامون ہے۔

ہر بر سر اقتدار شخص کے ساتھ کچھ شیطان حاشیہ نشین لگ جاتے ہیں۔اور اسے قہار و جبار بنا دیتے ہیں' پھر اس سے فساد فی الارض کراتے ہیں اور وہ نسلوں اور فصلوں کو برباد کرتا چلا جاتا ہے۔

کان پھرنے والے چغل خور لوگ جو نہایت چکنی چپڑی باتوں کرتے ہیں اور نہایت خوبصورت انداز گفتگو ہوتا ہے ان کا۔یوں لگتا ہے کہ موصوف تو صریح حق گو آدمی ہیں اور اس کی باتوں میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور وہ لوگ جو شہوات کا ساز و سامان فروخت کرتے ہیں' جو انسانی جبلت کی راہوں سے حملہ آور ہوتے ہیں اور اس قدر شدید اور پرکشش طریقے سے کام کرتے ہیں کہ صرف قلب کی بیداری ہی اس حملے کا دفاع کر سکتی ہے اور صرف اللہ کی معاونت اور مدد ہی بچا سکتی ہے۔

آج وسیوں خفیہ وسوسہ انداز' اپنے دام تزویر پھیلائے انسانیت کی راہ میں بیٹھے ہیں۔یہ نہایت خفیہ طریقوں سے' نفس انسانی کی خفیہ ترین راہوں سے' جن کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں' حملہ آور ہوتے ہیں' یہ لوگ جنی شیطان سے زیادہ خفیہ انداز میں کام کرتے ہیں۔اور نہایت خفیہ اور غیر محسوس طریقے سے نفس انسانی کے اندر گھس کر وسوسہ ڈالتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ضعیف ہے اور وہ ان عیاروں کی ان چالوں کا دفعیہ نہیں کر سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ ان کو خبردار کرتا ہے' ان کو مسلح کرتا ہے' ان کو ڈھال اور قلعے فراہم کرتا ہے کہ وہ اس خوفناک جنگ میں مقابلہ کر سکیں۔

یہاں ایک بات قابل توجہ ہے اور اس وسوسہ ڈالنے کی ایک صفت نہایت بامعنی بتائی گئی ہے کہ وہ ''الخناس'' ہے۔ اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خفیہ طور پر چھپ کر بیٹھتا ہے۔اور جونہی کوئی موقعہ ملتا ہے۔ خفیہ انداز مین گھس کر وسوسہ اندازی کرتا ہے لیکن یہ لفظ دوسری طرف سے یہ تاثر بھی دیتا ہے کہ یہ نہایت بودے کردار کا مالک ہے۔اگر دیکھیں کہ شخص چوکنا ہے' اور بیدار ہے' تو یہ چھپ جاتا ہے اور یہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے۔جب کوئی اس کے مقابلے میں آئے تو یہ جہاں سے آتا ہے ادھر بھاگ جاتا ہے اور چھپ جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اچھی مثال دی ہے اور کیا ہی خوب تصویر کشی ہے۔

فاذا ذکر اللہ خنس واذا غفل وسوس ''جب آدمی اللہ کو یاد کرے تو یہ چھپ جاتا ہے اور جب غافل ہو کر وسوسہ اندازی کرتا ہے''۔یہ نکتہ انسان کو ایک گونہ قوت فراہم کرتا ہے کہ وہ جرات سے اس خناس کا مقابلہ کر سکے۔ یہ خناس ہے' چھپ کر بھاگتا بھی ہے۔اور جب کوئی مومن ہتھیار لے کر آتا ہے تو یہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔

لیکن دوسری جانب حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آدم و ابلیس کا معرکہ ایک طویل معرکہ ہے جو اس دنیا میں ختم نہ ہو گا۔ شیطان قیامت تک چھپ کر اور موقعہ تلاش کر کے حملہ آور ہوتا رہے گا۔اس لیے اس کے مقابلے میں مسلسل بیداری ضروری ہے۔ صرف ایک دفعہ بیدار ہونا کافی نہیں۔یہ جنگ جاری ہے اور قرآن نے اس کی مختلف مقامات پر نہایت ہی خوبصورت تصویر کشی کی ہے اور سورہ اسراء (۶۱ تا ۶۵) میں عجیب تر ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا (۶۱) قَالَ اَرَءَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗٓ اِلَّا

Marfat.com

قَلِيْلًا (٦٢) قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا (٦٣) وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (٦٤) اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا (١٧: ٦٥) (١٧: ٦١ تا ٦٥) "اور یاد کرو جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو' تو سب نے سجدہ کیا' مگر ابلیس نے نہ کیا' اس نے کہا "کیا میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے"۔ پھر وہ بولا دیکھئے تو سہی کیا یہ اس قابل تھا کہ تو نے اسے مجھ پر فضیلت دی؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دے تو میں اس کی پوری نسل کی بیخ کنی کر ڈالوں۔ پس تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ سکیں گے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اچھا تو جا' ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں' تجھ سمیت ان سب کے لیے' جہنم ہی بھرپور جزاء ہے۔ تو جس جس کو اپنی دعوت سے پھسلا سکتا ہے' پھسلا لے۔ ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا' مال اور اولاد میں ان کے ساتھ ساجھا لگا۔ اور ان کو وعدوں کے جال میں پھانس ---- اور شیطان کے وعدے ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں ---- یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہو گا اور توکل کے لیے تیرا رب کافی ہے"۔

اس معرکے کی یہ تصویر کشی اور اس کے یہ محرکات' خواہ براہ راست شیطان کی طرف ہو یا اس کے کارندوں کی طرف سے ہو' انسان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس میں انسان کمزور اور مغلوب نہیں ہے۔ انسان کا رب' اس کا بادشاہ اور اس کا حاکم و معبود پوری مخلوق پر حاوی ہے۔ اس نے اگرچہ ابلیس کو اجازت دے دی ہے کہ وہ ابن آدم کے خلاف یہ جنگ جاری رکھے' لیکن یہ شیطان بھی اللہ کے کنٹرول میں ہے۔ اللہ نے اسے صرف ان لوگوں پر غلبہ کا اختیار دیا ہے جو اپنے رب' اپنے بادشاہ اور اپنے معبود سے غافل ہیں لیکن جن لوگوں کے دلوں میں اللہ کی یاد زندہ رہتی ہے وہ شیطان اور اس کی ریشہ دوانیوں سے بچے رہتے ہیں۔ خیر اور بھلائی کو دراصل اس قوت کا سہارا حاصل ہے جس کے سوا قوت کا اور کوئی سرچشمہ نہیں ہے۔ بھلائی کی پشت پر وہ حقیقت ہے جس کے سوا کوئی اور حقیقت نہیں ہے۔ بھلائی کی پشت پر رب' بادشاہ اور الٰہ العالمین کی قوت کا سہارا ہے اور شر کی پشت پر وسوسے ڈالنے والا ڈر پوک شیطان ہے جو چھپ کر کام کرتا ہے۔ سامنا نہیں کر سکتا اور اللہ کے صحیح بندے جو اللہ کی پناہ میں ہوتے ہیں ان کے مقابلے میں وہ شکست کھاتا ہے۔

وہ حقیقت جس پر خیر قائم ہے اور وہ چیز جس کے سہارے شر قائم ہے یہ اس کی بہترین تصویر کشی ہے اور خیر و شر کا یہ بہترین تصور ہے۔ پھر انسان کی ہمت بندھانے اور شر کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ تصور خیر و شر کا بہترین تصور ہے۔ اور انسان کو قوت اعتماد اور اطمینان سے بھر دیتا ہے۔

خدا کا شکر ہے آغاز میں بھی اور آخر میں بھی اسی پر انسان کو اعتماد کرنا چاہئے اور وہی ہے جو توفیق دینے والا ہے۔ وہی ہے جس سے مدد طلب کرنا چاہئے اور وہی ہے جو مدد کرتا ہے۔

---ooo---

(مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۹۵ء' بوقت ۱۰:۲۰ رات سید معروف شاہ شیرازی)

(اختتام کمپوزنگ ۱۷ مئی ۱۹۹۷ء بوقت ۴ بجے صبح قارئین سے مترجم اور ناشر "فی ظلال القرآن" کے لئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور توشۂ آخرت بنا دے آمین ثم آمین۔ سید عارف شاہ شیرازی)

Marfat.com
Marfat.com

إدارة مكتبة الإمام بالمقابل منصورة طلخان دقهلية

Marfat.com
Marfat.com